

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

قنال ثناء

مستر رائیٹ

مسٹر رائٹ



از قلم منال ثناء

All Rights Reserved

Copyright: Manal Sana (Author)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

khanumaira@safareadab.com

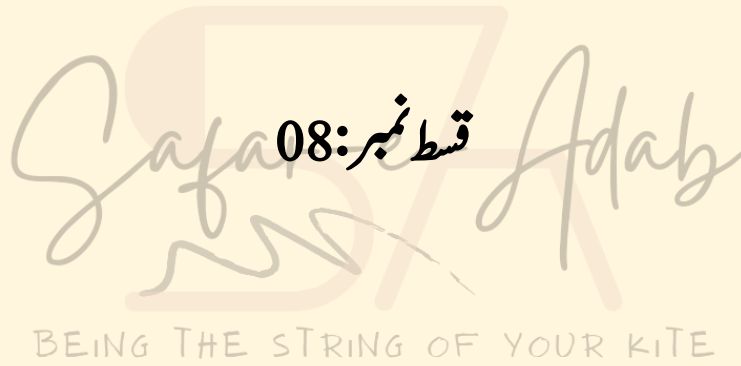
adab@safareadab.com

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

ضروری بات

مسٹر رائٹ کے تمام جملہ حقوق لکھاری "منال ثناء" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔





ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے وہ لاؤنچ سے ڈائننگ ایریا میں داخل ہوا تو گزشتہ دنوں کی طرح اندھیرے نے ہی اُسکا استقبال کیا تھا۔ زہر اکا کمرہ روشن تھا یعنی وہ جاگ رہی تھیں۔ ایک نظر اوپر اپنے کمرے کے بند دروازے پر ڈالی تو سرد آہ بھر کر رہ گیا۔ خضر کی موت کو آج بیس دن ہو چکے تھے اور عشمیرہ اُس حادثے کے بعد سے زمین کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی تھی۔ میرزبیر اور نورین، زمین کے اتنے سنگین نقصان پر بھی واپس نہیں آسکتے تھے جبکہ زمین کے سسرال والوں نے اُسے رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ ایسے میں عشمیرہ نے بہن کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ وہ اُسکو اپنے گھر میں، اپنے کمرے میں دیکھنے کا عادی ہو گیا تھا اور اب اُسکے جانے کے بعد وہ اُسے بُری طرح یاد کر رہا تھا۔ تھکے تھکے قدم اٹھاتا وہ زہر اسے بعد میں ملنے کا سوچ کر فریش ہونے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ بڑے تھکے سے انداز میں کمرے کا دروازہ کھولا تو روشنی دیکھ کر چونک گیا۔ مانوس سی خوشبو پر اُسکی نظر بڑی تیزی سے جھولے کی طرف گئی اور ساری اُداسی، تھکاوٹ کہیں دور جاسوئی۔ جھولے کی پشت پر سر گرائے بیٹھی وہ آہستہ آہستہ جھولا جھلار ہی تھی۔

"ارے تم کب آئیں؟"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

لیپ ٹاپ والا بیگ بڑی بے دردی سے بیڈ پر اچھالتے اُس نے خوشگوار حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"ابھی آدھا گھنٹہ پہلے ہی آئی ہوں۔"

اُسکا جوش اور خوشی ٹھٹھک کر ملاحظہ کرتی عشمیرہ کا جواب سرسری تھا۔

"کیسے آئی؟"

وہ اب ٹائی بھی بیڈ پر پھینک رہا تھا۔ شارم کی ایسی بے ترتیبی وہ پہلی دفعہ دیکھ رہی تھی۔

"فرہاد کے ساتھ۔"

بغیر کسی پس و پیش کے بتایا گیا تھا۔ شام کو جھٹکا لگا۔ سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھا تھا۔ ایک یہی بات اُسے سب سے زیادہ تشویش میں مبتلا کرتی رہی تھی کہ عشمیرہ کا فرہاد سے سامنا ہو گا تو وہ اُس کے دماغ میں کوئی فالتو بات نہ ڈال دے۔ یا وہ دوبارہ ضارب کے چکر میں نہ پڑ جائے۔ اور فی الحال دونوں میں سے ایک کام ہو چکا تھا۔

"مجھے بلا لیتیں۔ میں آفس سے واپسی پر پک کر لیتا۔"

وہ سخت بد مزہ لگ رہا تھا۔

"میں کیب کروانے والی تھی پر وہ کہیں جا رہا تھا۔ چچا نے کہا اُسی کے ساتھ چلی جاؤ تو آنا پڑا۔"

اُس نے بتایا۔

"زرین کیسی ہے؟ ابھی رُک جاتیں اُس کے پاس۔"

زرین کا پوچھتے، نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے مزید رُکنے کا مرو تا گہنا پڑا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ دکھی سی رہتی ہے۔"

اُسکی آواز بو جھل تھی۔

"میں بس زری کی وجہ سے وہیں رُک رہی۔ وہ اکیلی نہیں رہ سکتی تھی۔ اب صبح پانچ بجے امی ابو کی فلائٹ ہے۔ میں مزید نہیں رُک سکتی تھی۔"

اُس نے صاف صاف بتا دیا تھا۔ وہاں آرام سے رہ لینے کی وجہ بھی یہی تھی کہ میر زبیر موجود نہیں تھے۔

"ویسے بھی میں بس اسی لیے رُکی تھی کہ پہلے ہی اُسکی ساس اور نند اُسے اتنا سناپچی ہیں جیسے اُس حادثے میں زری کا قصور تھا۔ پھر چچی لوگوں کا بھی کوئی بھروسہ نہیں۔"

اُس نے مزید بتایا۔ خضر کی ماں اور بہن نے اُسکی موت کا قصور وار صرف زرین کو ٹھہرایا تھا۔ اُسکا اپنا صدمہ ہی بہت تھا اُس پر یہ الزام۔ اُسکی زندگی مشکل ہو گئی تھی۔

"ہمم اچھا کیا۔"

اگر کوئی شارم سے پوچھتا کہ اس وقت پوری دنیا میں عشمیرہ کو کس کا خیال ہے؟ تو وہ بغیر سوچے زرین کا نام لیتا۔ اُس کے علاوہ عشمیرہ اپنے ماں باپ تک کی فکر نہیں کر رہی تھی۔

"ڈنر کر لیا؟"

اُس نے فرہاد والی بات پر جلد اپنا موڈ بدلا۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہ تھی کہ اتنے دن بعد گھر آئی عشمیرہ کو متفر کر دیتا۔ وہ خود کو سمجھا رہا تھا اس بات سے بے خبر کہ یہی عشمیرہ کچھ دیر میں اُسے زبردست جھٹکا لگانے والی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"نہیں ڈنر کر کے آئی تھی۔ ابھی بھوک نہیں ہے۔"

جھولے سے اٹھتے اُس نے بتایا اور ڈریسنگ کی طرف بڑھ گئی۔

"مجھے کمپنی دینے تو چلو۔ اور امی سے بھی مل لینا۔"

جانے کیوں وہ اصرار کر رہا تھا۔ اُسکے پیچھے وہ بھی ڈریسنگ تک آگیا اور اب شیشے میں اُسے بالوں سے پونی نکالتے دیکھ رہا تھا۔ اُسکے اصرار پر عشمیرہ کی آنکھیں پھیلیں۔

"آپکی امی کے پاس پندرہ بیس منٹ بیٹھ کر ہی آئی ہوں۔ اب میں بہت تھک چکی ہوں ایزی ہونا چاہوں گی۔"

اُس نے بڑے سبھاؤ سے انکار کر دیا اور اُسکی بائیں طرف سے گزر کر الماریوں کی طرف بڑھ گئی۔ شام وہیں کھڑا رہ گیا۔ اتنے دن بعد اُسے دیکھ رہا تھا۔ اپنے سامنے بٹھا کر ابھی مزید بھی دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ تو اپنا ایک لمحہ بھی اُسے دینے کو تیار نہیں تھی۔ اُسے دکھ ہوا تھا۔ جہاں اُس نے ہر لمحہ گن گن کر گزارا تھا وہاں عشمیرہ نے توجان خلاصی پر شکر ادا کیا ہو گا۔ تبھی تو اب بھی دور دور تھی۔

"منزہ کے ہاتھ کافی بھیج دیں گے؟"

اپنا پسندیدہ گلابی نائٹ سوٹ نکالتے اُس نے پلٹ کر بُت بنے شام کو مخاطب کیا۔ اُسکی سوچوں کا ارتکاز ٹوٹا تھا۔ اُسکے غیروں والے انداز اور اب سوال پر یکدم غصہ عود آیا۔

"نہیں۔"

اس صفا چٹ انکار پر عشمیرہ کا منہ کھل گیا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تم فریش ہو کر ایزی ہو جاؤ۔ پھر باہر چلتے ہیں۔ تم کافی پی لینا میں ڈنر کر لوں گا۔"

اُسکا انداز دو ٹوک اور کچھ حکمیہ تھا۔ سونے پر سہاگا کہ وہ اُسکی کوئی بات سُنے بغیر باہر نکل گیا تھا۔

عشمیرہ پیرچ کر رہ گئی۔ وہ ہمیشہ یو نہی کرتا تھا۔ پہلے آرام سے پوچھتا تھا۔ پھر اُسکا انکار سُنتا تھا۔ پھر دو ٹوک فیصلہ سناتا تھا۔ اور اگر جو وہ نہ مانتی تو وہ زبردستی بھی کر لیتا۔ اُسے سخت غصہ آیا مگر اب کوئی حل نہیں تھا۔ وہ بات منوائے بغیر دم نہیں لینے والا تھا۔ اُسے یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اُسکے انکار نے ہی اُسکا موڈ خراب کیا تھا۔ نائٹ سوٹ کو ہینگر سمیت

اُس نے بیڈ پر اچھالا جو عین شام کے بیگ اور ٹائی پر گرا تھا۔ غصہ بڑی مشکل سے ضبط کرتے اُس نے ڈریسنگ پر سے پونی اٹھائی اور زور زور سے پیر پٹختی اُسکے پیچھے ہی نکل گئی۔

وہ زہرا کے قریب ڈائننگ میز کے پاس کھڑا بٹر کوئیز سے انصاف کر رہا تھا جب وہ سیڑھیاں اترتی نظر آئی۔ سنہری سیدھے بالوں میں پونی ڈالتی وہ تیز تیز سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ وہ اُسی آسمانی رنگ کو جوڑے میں تھی جو اپنے گھر سے پہن کر آئی تھی۔ سفید جالی دار دوپٹہ کندھے پر جھول رہا تھا جبکہ چہرے پر ٹھیک ٹھاک بارہ بجے ہوئے تھے۔ مسکراہٹ دبا کر عشمیرہ پر سے نظر ہٹاتے شام نے ایک اور کوئی نکالا اور جار کو بند کر کے میز پر رکھ دیا۔

"چلیں۔"

پورے زور سے پونی کستے اُس نے اپنی جھنجھلاہٹ ظاہر کی تھی۔ شام نے مسکرا کر وہ کوئی عشمیرہ کی طرف بڑھایا تو اُسکے تنے ہوئے تاثرات تیزی سے ڈھیلے پڑے تھے۔ یہ بسکٹ اُسکی کمزوری تھی۔ اُسکی یہ کمزوری شام جان چکا تھا۔ اور یہ خطرناک بات تھی۔ اپنی سوچوں پر سر جھٹکتے اُس نے شام سے بسکٹ لے کر دانتوں میں دبایا اور غصے میں کسی گئی پونی ڈھیلی کی۔ اُسکی یہ توبہ شکن ادائیں، اور وہ بھی زہرا کے سامنے۔ شام نے تیزی سے نظر ہٹا کر ماں کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے برتن سمیٹ رہی تھیں۔ پھر وہ زہرا کو بتا کر نکل گئے تھے۔

شام اُسے اپنے گھر کے قریب کسی نئے ریسٹورنٹ میں لایا تھا۔ اُسکو پورے شہر میں بس یہی ریسٹورنٹ ملا تھا؟ عشمیرہ نے بیزاری سے اطراف میں دیکھ کر سر جھٹکا۔ مدہم چلتی روشنیوں میں، دھیمی موسیقی کے ساتھ تمام جوڑوں کی تواضع کی جا رہی تھی۔ شام نے اپنے لیے سٹیک اور سیخ کباب منگوائے۔ اور ڈنر کے بعد براؤنی کیک اور ہاٹ کافی کا

آرڈر بھی دے ڈالا۔ کھانے کے دوران اُسکے کہنے پر بھی عثمیرہ نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ بیس پچیس منٹ بعد جب ویٹر کافی رکھنے آیا تو اُس نے عثمیرہ کو مخاطب کیا۔

"میم یہ ڈسکاؤنٹ کارڈ آپکے لیے۔"

"میرے لیے کیوں؟"

اُس سے کارڈ لیتے عثمیرہ نے حیرت سے پوچھا۔ شارم بھی اُنہی کی طرف متوجہ تھا۔

"ایکچو نکلی یہ ہمارے ریستورنٹ کی پالیسی ہے۔ ہم اپنے کسٹمرز کا تھینکس کرنے کے لیے ایسا ہی کرتے ہیں۔"

ویٹر نے مخصوص پیشہ ورانہ انداز میں بتا کر اُن دونوں کو مزید حیران کیا۔

"پر میرا تھینکس کیوں کرنا ہے؟"

عثمیرہ نے الجھ کر پوچھا۔

"آپ چند گھنٹوں میں دوسری دفعہ ہماری سروس انجوائے کر رہی ہیں۔ اُس کے لیے تھینکس۔"

مخصوص مسکراہٹ چہرے پر سجائے اُس نے کہا۔ عثمیرہ کے ہونٹ اووو کی صورت ڈھلے جبکہ شارم نے چونک کر اُسکی طرف دیکھا۔ جو کافی نارمل نظر آرہی تھی۔ پر کچھ گھنٹے پہلے وہ یہاں کیا کر رہی تھی؟

"انجوائے ڈائناٹ میم۔"

عثمیرہ کے سر ہلا کر کارڈ تھام لینے پر ویٹر نے مسکراتے ہوئے آگے کو جھک کر کہا اور چلا گیا۔

"تم کچھ دیر پہلے بھی یہاں آئی تھی؟"

وہ ڈسکاؤنٹ کارڈ کو شارم کے سامنے رکھے مینیو کارڈ کے اوپر رکھ رہی تھی جب اُس نے پوچھا۔

"جی آئی تھی۔"

"کس کے ساتھ؟"

"فرہاد کے ساتھ۔"

شارم کے مشکوک انداز کی نسبت اُس کا انداز بے حد سرسری تھا۔ فرہاد کے ساتھ؟ یعنی جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ شارم کا پارہ چڑھنے لگا تھا۔

"تو تم اپنے سابقہ منگیتر کے ساتھ ڈنر انجوائے کر چکی تھیں۔ اور میرے پوچھنے پر تم نے کہا گھر سے کھانا۔"

کافی والا کپ اور مینیو کارڈ پر بے دھکیل کر وہ بے حد سپاٹ انداز میں پوچھ رہا تھا جب عثمیرہ نے تیزی سے اُس کی بات کاٹی۔

"گھر سے نہیں کہا تھا۔" BEING THE STRING OF YOUR KITE

"میں نے کہا تھا میں ڈنر کر چکی ہوں۔"

وہ خود پر لگتے الزام کی فوراً تصحیح کر گئی تھی۔

"جو بھی کہا مگر مجھ سے چھپایا تو تھانا؟"

شارم کا انداز ہنوز سپاٹ تھا۔

"چھپایا تو نہیں۔"

عشمرہ نے اپنی بات پر زور دیا تھا۔

"لیکن بتایا بھی نہیں۔"

نفی میں سر ہلاتے وہ اب کی بار سختی سے بولا تھا۔

"ایک معمولی سی بات کو آپ ایشو بنارہے ہیں۔ میں بچپن سے اب تک ہزاروں ڈنر ز اور کافیز اُسکے ساتھ انجوائے کر چکی ہوں۔"

اُسکی ناگواری محسوس کرتے عشمرہ بھی چٹخ کر بولی۔

"اُس وقت میں اور اب میں زمین آسمان کا فرق ہے عشمرہ۔"

شارم کی ناگواری ہنوز قائم تھی۔

"تب تم اُسکی کزن اور منگیتر تھیں، پر اب صرف میری بیوی ہو۔"

حد درجہ سنجیدہ اور سرد لہجہ تھا۔ اُس نے ایک لمحے کو بھی اپنی ناپسندیدگی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"مسئلہ یہ ہے کہ آپ جانتے ہیں وہ میرا منگیتر تھا اگر نہ جانتے ہوتے تو اُسے صرف میرا کزن سمجھتے۔ اور کزن کے

ساتھ ڈنر کر لینے میں آخر کیا مضائقہ ہے۔"

وہ بھی اب ناگواری سے کہہ رہی تھی۔ شاربم کے شوہروں والے مخصوص اعتراض پر عشمرہ کا منہ بن گیا تھا۔

"میں نے کہا کہ اب تم صرف میری بیوی ہو! نہ کسی کی کزن نہ کچھ اور۔"

اُس کا انداز دو ٹوک تھا۔ وہ اس بات پر کبھی بحث نہیں چاہتا تھا۔

"آپکے کہنے سے کچھ بدل نہیں جائے گا۔"

مگر عثمیرہ بحث کے موڈ میں تھی۔

"بدلے گا۔ ہمارے رشتے میں اگر کچھ چیزوں پر میں چاہوں گا تو تمہیں سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔"

اُس نے سختی سے باور کروایا۔

"لگتا ہے بلاوجہ میس کری ایٹ کرنے کا آپکو شوق ہے۔"

سر جھٹک کر اُس نے بھی کافی پرے دھکیلتے بیزارى سے کہا۔ شام کی آر پار ہوتی خاموش نظریں خود پر ٹکی دیکھ کر اُس نے مزید کہا۔

"آپ اچھے سے جانتے ہیں کہ میں اُس میں ایک فیصد بھی دلچسپی نہیں رکھتی تبھی تو ہمارا وہ بے معنی سارشتہ بھی ختم ہو گیا۔ اُسکے باوجود بھی آپ ایسے ری ایکٹ کر رہے ہیں۔"

"میں تمہاری دلچسپیوں کے بارے میں بھی خوب اچھے سے جانتا ہوں۔ اور واصف کی زبانی فرہاد کی دلچسپی کا بھی سُن چکا ہوں۔"

تخن ٹھنڈے لہجے میں اُس نے تاک کر طنز کیا تھا۔ اتنی ذومعنی بات پر عثمیرہ بلبلا اٹھی تھی۔ چہرے پر سائے لہرانے لگے تھے۔ شادی کے دوسرے مہینے میں وہ آج پہلی دفعہ کہہ سکتی تھی کہ اُسکا سامنا ایک 'شوہر' سے ہوا ہے۔ اس سے پہلے وہ اُسے ایک روم میٹ سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتی تھی۔

"کیا اُس نے نہیں کہا تھا کہ وہ اب پچھتا رہا ہے؟"

اُسکی خاموشی پر اُس نے ٹھنڈے لہجے میں یاد کروایا۔ وہی جو وادف نے اُسے بتایا تھا۔ یعنی وہ واقعی سُن چکا تھا۔

"ایک شخص جو میری بیوی کا مگیتراہ چکا ہو اور پھر اُسے اپنی زندگی سے اُسکے چلے جانے پر پچھتاوا بھی ہونے لگے تو میں کیسے برداشت کر لوں کہ وہ میری بیوی کو پک اینڈ ڈراپ سروس دے اور اُسے ڈنر بھی کرواتا پھرے۔"

میز پر آگے کو جھکتے، براہ راست عشمیرہ کی آنکھوں میں دیکھتے اُس نے ٹھیک ٹھاک سختی سے کہا تھا۔ معاملہ اتنا بھی معمولی نہیں تھا جتنا عشمیرہ نے سمجھ رکھا تھا۔ یہ شام کا خیال تھا۔ اور معاملہ اتنا بھی پیچیدہ نہیں تھا جتنا شام نے بنالیا تھا۔ یہ عشمیرہ کا خیال تھا۔ مگر عشمیرہ نے اپنا خیال اس وقت اپنے پاس ہی رکھا تھا۔ شام کا خیال ظاہر ہو رہا تھا یہی دونوں کے لیے کافی تھا۔ فی الحال اُسے شام کو صفائی دینے کی ضرورت تھی۔

"چچی نے لنچ پر میرے بارے میں فضول باتیں کی تھیں جن کی وجہ سے میں نے لنچ نہیں کیا۔ میں اُنکی وجہ سے ڈس ہارٹ تھی۔ تو وہ بس اسی لیے لے آیا۔"

عشمیرہ کے بھی کیا ہی کہنے۔ صفائی دی بھی تو کیسے۔ وہ ٹھنڈا ہونے کی بجائے مزید تپ گیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"دلجوئی کرنے کے لیے اُسے میری بیوی ہی ملی تھی۔"

وہ اندر ہی اندر کرہا۔ اُسے زرین کا خیال کر کے بھی عشمیرہ کو اُس گھر میں نہیں جانے دینا چاہیے تھا۔ کم سے کم تب تک جب تک کہ اُن کے بچے کچھ ٹھیک نہ ہو جاتا۔

"خیر مجھے یہ جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ اُس سب کا پس منظر کیا تھا۔ مجھے مسئلہ یہ ہے کہ تم نے منع کیوں نہیں کیا؟"

بیزاری سے بولتے آخر میں اُس نے کافی سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں منع کر دیتی پر اُسے مجھ سے بات بھی کرنی تھی۔ اور میں بھی چاہتی تھی کہ ایک ہی دفعہ بات ختم ہو جائے۔"

ہمیشہ کی طرح بڑی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

"اپنی غلطی ماننے کی بجائے تم اُسے جسٹیفائی (جواز دینا) کر رہی ہو؟"

شارم کا غصہ اُسکے ہر جواب کے بعد بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہیں بریف (دلائل دینا) کرنا ہے تو پھر ایسے ہی سہی۔"

فیصلہ کن انداز میں بولتا وہ مزید آگے کو جھکا۔

"کیا تم مجھے یہ بتانا پسند کرو گی کہ اُس نے، اس ریسٹورنٹ کے، اتنے رومانٹک انوائرنمنٹ (ماحول) میں تم سے کیا بات کرنی تھی؟"

ٹھہر ٹھہر کر وہ بے تاثر لہجے میں پوچھ رہا تھا پر اُسکے چہرے پر پھیلتے سخت تاثرات عشمیرہ کو ڈرا رہے تھے۔ عشمیرہ کو؟
ہاں بالکل۔ ماں باپ کے سامنے کبھی اُنکے گھر واپس نہ جانے کے دعوے کرنے والی کا اگر یہ ٹھکانا چھن جاتا تو وہ کیا کرتی؟

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ وہ بس پوچھ رہا تھا کہ اگر میں آپکے ساتھ خوش نہیں ہوں تو"

غلطی پر غلطی کرنا کوئی عشمیرہ سے سیکھتا۔ وہ پچھلی غلطی سدھارنے کے لیے دماغ لڑائے بغیر ایک نئی غلطی کرنے کی عادی تھی۔

"اُسے کیا الہام ہوتے ہیں کہ کوئی کسی کے خوش ہے یا نہیں؟"

شارم نے بے حد سختی سے اُسکی بات کاٹی تھی۔

"میں نے بھی یہی کہا تھا۔"

یکدم شارم کا غصہ اور ساری سنگین صورت حال بھول کر وہ بڑے مزے سے بولی۔

"آئی سوئیر میں نے بھی یہی کہا تھا۔ بلکہ بہت اچھا لگ رہا تھا ایڑھیاں رگڑتا ہوا۔ میری تو اندر تک سیٹسفیکشن (تسکین) ہو رہی تھی اور تو اور"

"فار گاڈ سیک عشمیرہ۔"

یہاں اُسکی بس ہو گئی تھی۔ میز پر دونوں ہاتھ مارتے وہ دھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عشمیرہ نے سہم کر اُسکی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔

"میں نہیں سنا چاہتا کہ تم نے پرسل سیٹسفیکشن (ذاتی تسکین) کی خاطر ہمارے رشتے پر اُس کی بکواس سنی۔ میں چاہ رہا ہوں کہ تم میری بات سمجھو اور تم ہو کہ میرے سامنے مزے لے کر ہر بات دوہرا رہی ہو۔"

وہ دبے لہجے میں غرایا تھا۔ آس پاس کی میزوں پر بیٹھے چند جوڑے اُنکی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

"سر کچھ اور چاہیے کیا؟"

صورت حال کا اندازہ کیے بغیر گھبراہوا ہوا بیڑ بھاگا چلا آیا۔

"کچھ نہیں چاہیے بھئی۔"

"اور اس ریسٹورنٹ سے تو کبھی بھی نہیں۔"

شارم نے شدید بیزاری سے کہا۔ پانچ ہزار کانوٹ نکال کر ٹیبل پر پھینکا اور تن فن کرتا نکلنے لگا۔ عشمیرہ جو ہکا بکا بیٹھی تھی اُسے جاتے دیکھ کر تیزی سے اُسکے پیچھے لپکی۔

"میم کیا ہوا ہماری سروس پسند نہیں آئی؟"

وہ دونوں باہر نکلنے والے تھے جب مینجر نے آکر راستہ روکا۔ وہ گھبرا ایا ہوا لگ رہا تھا۔ عشمیرہ سے چند قدم آگے ہونے کی وجہ سے شارم اب بھی نہیں رُکا تھا مگر عشمیرہ کو رُکنا پڑا۔

"بہت اچھی سروس ہے آپکی۔"

"ایک وزٹ پر ڈنر کر کے گئی ہوں اور دوسرے وزٹ پر آپ نے اپنا ڈنر میری ساری انرجی کی صورت وصول کروالیا ہے۔"

دروازہ دھکیل کر باہر نکلتے شارم تک اُسکا طنز میں ڈوبا جواب پہنچ چکا تھا۔ سر جھٹک کر وہ باہر نکل گیا۔

"دونوں دفعہ ہی دماغ چاٹنے والے بندوں کے ساتھ آپکی سروس میں نے ایک جتنی انجوائے کی ہے۔ آئندہ کوشش کروں گی یہاں دوبارہ نہ آؤں۔"

اُس کی خاصی اونچی آواز نے مینجر کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے کیونکہ شروع کی میزوں پر بیٹھے کتنے ہی کسٹمرز تک اُسکی آواز پہنچ رہی تھی۔ وہ اُس سے باز پرس کرنے پر بری طرح بچھتا یا اور پھر اُسے باہر نکلتے دیکھ کر سکون کا ہی سانس لیا۔ عشمیرہ نے دروازہ دھکیلا تو بے چینی سے شارم کو چکر کاٹتے دیکھ کر وہیں کھڑے پلٹ کر پہلے سے بھی اونچی آواز میں مینجر کو مخاطب کیا۔

"کاسٹڈی ایکسیوزمی مسٹر مینجر؟"

"لیکن بہت بیکار ہے آپ کے ریسٹورنٹ کی پالیسی۔ خدا کا واسطہ آئندہ کسی کسٹمر کو اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ دینے سے پرہیز کیجیے گا۔"

اُس نے شارم کو بھی سنایا تھا۔ میجر اس قدر بے عزتی پر خفت سے سُرخ پڑا جبکہ شارم اُسے ٹھیک ٹھاک تماشا لگاتے دیکھ کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ اتنی بے عزتی کر دینے کے بعد بھی عشمیرہ کی تسلی نہیں ہوئی تھی تبھی اس دفعہ میجر کے سامنے آکر بڑی سنجیدگی سے بولی۔

"میں تو اپنا گھر بسانا چاہتی ہی نہیں۔ مگر جو بیچارے بسانا چاہتے ہوں گے آپ لوگ اُن کا ضرور برباد کروائیں گے۔ بیوقوف۔"

اس دفعہ آواز اتنی ہی آہستہ تھی کہ بس میجر تک آسانی سے پہنچی۔ اُس نے مروتاً بھی آخری لفظ کہنے سے پرہیز نہیں کیا تھا۔ میجر کی ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ اُسکی بات پر حیرت سے آنکھیں تک نہ پھیلا سکا کیونکہ وہ تو بس اس 'بلا' کے ٹل جانے کی دعائیں کر رہا تھا۔ اور پھر اللہ نے اُسکی سُن لی تھی۔ 'بلا' نے جب گلاس ڈور سے اپنے شوہر کو گاڑی ریورس کر کے سڑک پر ڈالتے دیکھا تو سر پٹ بھاگی۔ وہ اُسے چھوڑ کر جانے والا تھا۔ اس صدمے سے زیادہ اُسے گاڑی تک پہنچنے کی فکر تھی۔ بیک ویو مرر سے اُسے بھاگتے ہوئے آتے دیکھ کر اُس نے گاڑی روک دی تھی۔ وہ خاموشی سے پیئنجر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ غصے سے لال پیلا ہوتا شارم بھی کچھ بولے بغیر گاڑی چلانے لگا۔

یہ نئے ریسٹورنٹ والے خود کو سمجھتے کیا ہیں؟ نئی نئی چیزیں نکال کر دوسرے ریسٹورنٹس کی نسبت اپنی سروس کو اچھا بنانے کے چکر میں بے حد فضول کام کرتے ہیں۔ اور کتنے ہی فارغ ترین لوگ ہیں۔ ہر آنے جانے والے پر ایسے نظر رکھیں گے تو ہماری عوام تو ڈیٹ مارنے سے بھی رہی۔ عشمیرہ سخت جل بُھن رہی تھی جب خاموشی میں شارم کی تپتی ہوئی آواز گونجی۔

"سارا موڈ برباد کر دیا۔"

"اور میرے موڈ سے کونسا پھول جھڑ رہے ہیں۔"

وہ کہاں کسی سے کم تھی۔ جو منہ میں آیا بول دیا۔

"ہنہ ڈنر اور دماغ دونوں ہی ہضم کروا کے چھوڑے۔"

وہ مزید تپ کر بولا۔ انداز ایسا تھا جیسے خود کلامی کی ہو۔ کچھ دیر پہلے کھائے سٹیک اور سیخ کباب اندر لگی آگ کی وجہ سے جل بھن کر کوئلہ ہو رہے تھے۔

"آپکاؤنر تو بس ہضم ہوا ہے نا۔ مجھے لگتا ہے میرا تو پیٹ ہی خراب ہو گا۔"

اُس نے پیچھے رہنا سیکھا ہی کب تھا؟ صاف صاف الفاظ میں بتا دیا تھا کہ اگر تمہیں وہ سب پسند نہیں آیا تو مجھے بھی نہیں آیا۔

"پیزا کے دو سلاٹس کھائے تھے وہ بھی برداشت نہیں ہوئے۔"

وہ بس رونے کے قریب تھی۔ شارم نے تو پھر بھی اتنا کچھ کھایا تھا پر اُس نے تو فرہاد کے اصرار پر بھی صرف تھوڑا سا پیزا ہی کھایا تھا۔ اچھی خاصی کافی پینی تھی وہ بھی اُن منحوس ریسٹورنٹ والوں کی وجہ سے ناک کے نیچے سے نکل گئی تھی۔ اُس نے تیزی سے نم ہوتی آنکھیں بھیگنے سے پہلے ہی بے دردی سے صاف کر ڈالیں۔ عشمیرہ کو ضبط سے سرخ پڑتے دیکھ کر وہ آج جو کچھ ہوا اُس پر افسوس ہی کر سکتا تھا۔ غلطی عشمیرہ کی تو تھی ہی پر اب ریسٹورنٹ والوں کی زیادہ لگ رہی تھی۔ کیا تھا اگر پردہ رہنے دیتے تو؟ کم سے کم اُن دونوں کا اتنا خون تو نہ جلتا۔ جانے کتنے لوگوں کے ایسے

بھانڈے پھوڑے ہوں گے۔ اُس نے سچے دل سے اُنکی ہدایت کی دعا کی تھی۔ ایک دو دفعہ اُسے سختی سے آنکھیں رگڑتے دیکھا تو غصے میں جلتا بھنتا وہ بھی فوراً ہی ڈھیلا پڑ گیا۔

"کافی پیو گی؟"

لہجہ اگر نرم نہیں تھا تو سخت بھی نہیں تھا۔

"زہر پلا دیں۔"

وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔

"وہ تو برداشت ہو جائے گا؟"

چہرہ موڑ کر اُسکی طرف دیکھتے مزید پوچھا تو اتنی سنجیدہ صورت حال میں بھی شارم کے لیے مسکراہٹ چھپانا مشکل ہوا۔ اُسکی مسکراہٹ دیکھ کر وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ نخوت سے سر جھٹک کر اُس نے رُخ شیشے کی طرف موڑ لیا۔ جیسے کہا ہوا اب تو تمہیں منہ بھی نہیں لگاؤں گی۔ شارم کچھ لمحے تو اُسکے غصے پر مسکراتا ہی رہا پھر سنجیدگی سے بولا۔

"میرا خرید اہواز ہر بھی پیو گی تو برداشت ہو جائے گا پر کسی اور کا کچھ بھی نہیں عشمیرہ۔"

عشمیرہ نے اپنے پیچھے اُسکی سنجیدہ آواز پر جواب دیے بغیر کان لپیٹنے چاہے۔

"آئندہ تم فرہاد کی کوئی آفر قبول کرو گی نہ ہی اُسکی بات سُنو گی۔"

اُس کے مزید سنجیدگی سے باور کروانے پر عشمیرہ کو سر ہلانا پڑا۔ اُسے امید نہیں تھی کہ وہ اتنا شدید ردِ عمل دینے کے بعد اتنی جلدی ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ خیر جو بھی ہوا اسکے حق میں تو یہی بہتر تھا۔ اُس نے سکون کی سانس لی اور باقی راستہ خاموشی سے طے کرنے میں ہی عافیت جانی۔

اُدھر شمارم سارا راستہ اپنے اتنی جلدی سخت غصہ ہونے اور آسانی سے ٹھنڈا ہو جانے پر حیران رہا۔ شاید عشمیرہ کے آنسوؤں نے فوراً ٹھنڈا ہو جانے پر مجبور کیا تھا۔ اُسکی مینجر کو اچھی خاصی سنائی جانے والی باتیں یاد کر کے وہ مسکرا کر رہ گیا۔ وہ جو گھر والوں کو بخشنے کو تیار نہیں تھی اُسے بھلا کیسے بخشتی؟ اچانک اُسے مینجر سے ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی پر یہ بات وہ بھول کر بھی عشمیرہ کو نہیں بتا سکتا تھا۔



BEING THE STRING OF YOUR KITE

آج اُنکے صرف دو لیکچر تھے۔ اس لیے وہ یونیورسٹی میں رُکنے کی بجائے جلد ہو سٹل واپس آ گئیں۔ وہ تین لڑکیاں اس کمرے میں رہتی تھیں۔ تینوں کی سکول کے زمانے سے ہی بہت اچھی دوستی تھی۔

"اوہ تو اس وجہ سے گھر واپس نہیں جا رہیں تم۔"

اُن دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ سارہ کی کہانی اب ختم ہوئی تھی۔ وہ کافی فریش لگ رہی تھی۔ عاصم کے ساتھ آخری ملاقات اُسی رات کو ہوئی تھی جب خضر کا قتل ہوا تھا۔ عشمیرہ کے زمین کے ساتھ چلے جانے کا سارہ کو بہت فائدہ ہوا

تھا۔ عشمیرہ کے غیر معینہ مدت کے لیے اپنے گھر چلے جانے کا سُن کر وہ اگلی صبح ہی واصف کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی تھی۔ اور اب پندرہ دن اپنے گھر میں، ماں اور بھائی کے ساتھ گزار کر مزید دو مہینے وہ سکون سے ہو سٹل میں گزار سکتی تھی۔

"ویسے سُننے میں کتنا تھَر لگ رہا ہے۔"

اُسکی دوست عریشہ نے پُر جوش ہوتے کہا۔

"ہاں بالکل ایسے جیسے چور پولیس کا کھیل ہو۔"

دوسری دوست، ثمن نے بھی عشمیرہ والی ساری کہانی سُن کر لطف اندوز ہوتے کہا تھا۔

"ہاں ہے تو ویسا ہی۔ بھائی سے تو بلند تر ہوا ہے۔ وہ خود بھی مانتے ہیں مگر اب بس میری دعا ہے کہ جب بھی بھابھی کو پتہ چلے کوئی مسئلہ نہ ہو۔"

سارہ نے سچے دل سے کہا۔
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"معاف کرنا یا لیکن تمہارے بھائی نے ایسے کریکٹر کی لڑکی سے شادی۔ آئی مین۔"

عریشہ جھجک کر بولتے بولتے رُک گئی تھی۔ اُس نے سارہ کی طرف دیکھا۔ اُسکے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ اُسے بھی اپنی بھابھی کا ان الفاظ میں ذکر پسند نہیں آیا۔

"یار پلیز ایسے تو نہ کہو۔ بھائی شروع سے ہی اُنہیں بہت پسند کرتے ہیں۔ اُنکا تو اپنے کزن سے بچپن سے رشتہ طے تھا بھائی یہ سب جانتے ہوئے بھی اُنہیں پسند کرتے تھے۔"

وہ بتا رہی تھی۔ عریشہ کی نسبت ثمن زیادہ دلچسپی سے یہ لوسٹوری سن رہی تھی۔

"اُسکے بعد خود بھابی اُس سوشل میڈیا بوئے کی وجہ سے اپنی منگنی سے چڑنے لگیں۔ اس سب میں جو کچھ ہوا اُسکے بعد وہ میرے بھائی کا مقدر بنیں۔ مجھے تو لگتا ہے میرے بھائی کی محبت سچی ہے اس لیے انہیں وہ مل گئیں۔"

وہ آخر میں مسکرائی۔ چند دن پہلے عشمیرہ کی غیر موجودگی پر شام کا بولا یا سا روپ یاد کر کے اُسکی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔ کاش وہ اپنی بھابی کو بتا سکتی کہ اُسکا بھائی اُس سے کتنی محبت کرتا ہے۔

"تم سب اپنی بھابی کی حقیقت جانتے ہوئے بھی خوش ہو؟"

عریشہ کو یہ بات اب بھی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"ہاں بالکل۔ کیونکہ میرے بھائی خوش ہیں۔"

اُس نے خوشی سے بتایا۔ وہ دونوں اُن ماں بیٹی کے ظرف سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکی تھیں۔

"تو تم اپنے عاصم بھائی کے گھر کیوں نہیں چلی جاتی؟"

اسکا جواب ثمن جانتی تھی پر عریشہ نہیں۔ سارہ نے یہ بات صرف ثمن کو ہی بتائی تھی۔ اب عریشہ کے پوچھنے پر اُس نے عاصم کی حرکتوں کے متعلق اُسے بتایا تو اُسے حقیقتاً تشویش ہوئی۔

"اس لیے میں اب چار مہینے بعد سمیسٹر ختم ہونے پر اپنے گھر ہی جاؤں گی۔ بھائی نے مجھے کہا ہے کہ انہی دو تین مہینوں میں وہ سب ٹھیک کر دیں گے۔"

آج وہ کافی مطمئن لگ رہی تھی۔ امی اور بھائی کے ساتھ بھی کتنے ہی دن گزار لیے تھے۔ عاصم سے بھی جان چُھٹ گئی تھی۔ اب کچھ وقت آسانی سے گزر سکتا تھا۔

"تو سارہ تم اب اپنے پرابلمز کس سے ڈسکس کرو گی؟"

شمن کو نئی فکر لاحق ہوئی۔ اُن دونوں کے علاوہ ساری کلاس بھی جانتی تھی کہ پچھلے دو سالوں سے سارہ کا ہر چھوٹا بڑا مسئلہ عاصم ہی حل کرتا آیا تھا۔

"یار دعا کرو کہ اب مجھے کوئی پرابلم ہو ہی نہیں۔ جس کے لیے مجھے اُن کے پاس جانا پڑے۔"

اُس نے بو جھل سے انداز میں کہا۔ اُسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ کتنا بڑا مسئلہ اُس کا منتظر تھا۔

"آمین۔"

اُسکی دونوں دوستوں نے صدقِ دل سے آمین کہا تھا پر کچھ دعائیں اتنی آسانی سے قبول نہیں ہوتیں۔ یہ بھی نہیں ہونے والی تھی۔ مزید اُنکے بچ کوئی بات نہ ہو سکی کہ اُنکے کمرے کا دروازہ دھڑا دھڑ بجنے لگا۔ اتنے جارحانہ انداز میں دروازہ پیٹے جانے پر وہ تینوں چونکیں۔

"ٹھہرو میں دیکھتی ہوں۔ ضرور سیکنڈ فلور کی علیینہ ہو گی۔ اُسے چینی پتی مانگنے کے علاوہ کوئی کام نہیں۔"

شمن نے جل بھن کر کہا تو وہ دونوں کھکھلا کر ہنس دیں۔

"پس؟"

نمن نے دروازہ کھولا تو باہر وارڈن اور چوکیدار کے علاوہ بھی تین سے چار چہرے نظر آئے۔ جن پر سختی نظر آرہی تھی۔ نیلے اور سفید یونیفارم میں ملبوس وہ یونیورسٹی کی تفتیشی ٹیم تھی۔ جو کسی بھی ناخوشگوار واقعے پر فوراً حرکت میں آتی تھی۔

"آپکے روم کی چیکنگ ہوگی۔"

پاٹ دار آواز راہداری اور کمرے میں گونجی تھی۔

سارہ اور عریشہ بھی دروازے کی طرف لپکیں۔

"پر کیوں میم؟"

نمن نے حیرت سے پوچھا۔

"ہمیں اطلاع ملی ہے کہ یہاں کچھ مشکوک سرگرمیاں ہو رہی ہیں۔"

ایک اور سپاٹ آواز۔ اُن تین چہروں پر نا سمجھی دیکھی جاسکتی تھی۔

"کیسی مشکوک سرگرمیاں؟"

عریشہ نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"دیکھیں ہمیں راستہ دیں۔ ہمیں انتظامیہ کی طرف سے سخت آرڈرز ہیں کہ آپکے کمرے کی تلاشی لی جائے۔"

پہلے والی لیڈی آفیسر نے خشک انداز میں کہا۔

"پر ہم ایسا کچھ نہیں کر رہے میم۔"

نا سمجھی سے وارڈن کی طرف دیکھتی عریشہ نے مضبوط انداز میں کہا۔ وارڈن اُسکی سوالیہ نظروں پر کندھے اُچکا کر رہ گئی۔

"ایسا ہے تو آپکو چینگ کروانے میں کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔"

سینے پر بازو لپیٹتے اب کی بار اُسکا انداز کچھ جتنا تا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے میم۔ نوپر اہلم۔ آپ اپنی تسلی کر سکتی ہیں۔"

اب کی بار خاموش کھڑی سارہ نے حصہ ڈالا۔ ثمن اور عریشہ کو سرگوشی میں تسلی دی۔ کہ جب وہ کچھ بھی غلط نہیں کر رہیں تو انہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔

اُسکے بعد وہ تینوں ایک طرف ہو گئیں۔ تلاشی لیتی ٹیم نے اُنکا پورا کمرہ ہی الٹ ڈالا تھا۔ اُنکی وارڈن بھی اُن تینوں کے قریب کھڑی تھی جبکہ چوکیدار دروازے پر تھا۔

"یہ کیا ہے؟"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

کچھ دیر بعد ایک الماری کے نچلے خانے سے بڑی تعداد میں سفید پاؤڈر سے بھرے پیکٹس برآمد ہوئے۔ وہی پیکٹس جو سارہ نے عاصم کے پاس بھی دیکھے تھے۔ اُسے سمجھنے میں ایک منٹ نہیں لگا تھا کہ وہ کیا چیز تھی۔ مگر اُسکے پیروں تلے سے زمین اس لیے کھسک رہی تھی کہ یہ اُسکی الماری تھی۔

"ہمیں تو پہلے ہی معلوم تھا کہ یہاں یہ سب چل رہا ہے۔"

وارڈن کی طرف دیکھ کر وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ وارڈن کا سر شرمندگی سے جھک گیا تھا۔

"ہم، ہم نہیں جانتے میم۔"

سخت گھبرائی ہوئی عریشہ کو سب سے پہلے ہوش آیا تھا۔

"جھوٹ بولتی ہو۔"

وہ غرائی تھی۔

"ہم سچ کہہ رہی ہیں میم۔ ہمیں نہیں معلوم یہ کہاں سے آیا۔"

اُن تینوں میں ثمن سب سے زیادہ پُر اعتماد تھی۔ اُسی نے مضبوط انداز میں غلط فہمی دور کرنا چاہی۔

"وہ تو پتہ چل جائے گا کہ کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم تینوں میں سے یہ الماری ہے کس کی؟"

اُس کی ٹون اب بھی طنز یہ تھی۔ ٹیم میں صرف ایک مرد تھا جو اس وقت پیکیٹس کو سونگھنے میں مصروف تھا۔

اُس کے سوال پر ثمن اور عریشہ دونوں کو سانپ سونگھ گیا۔ اُنہیں تو اب احساس ہوا تھا کہ سب سے اہم سوال ہی یہی

تھا۔ اُن دونوں کی نظر بے ساختہ سارہ کی طرف گئی۔ اور اُنکی نظروں کے تعاقب میں اُنکی وارڈن سمیت باقی سب کی

نظریں بھی سارہ پر اٹھیں۔ جسکا چہرہ خوف سے سفید پڑ چکا تھا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں میں نہیں جانتی۔ بلکہ صبح تک میری الماری میں ایسا کچھ نہیں تھا۔"

گھبراتے ہوئے اُس نے بمشکل کہا۔ اور اُسکا خود ہی بول اٹھنا اُسے مزید مشکوک بنا گیا تھا۔

"آئی سوئیر میم۔ پلیز سیلیومی۔"

اُسکے گلے سے پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی تھی۔

"شکل سے تو تم بہت معصوم لگتی ہو پر تمہاری حرکتیں۔"

"میم پلیز۔"

اُس نے روتے ہوئے اتنی تلخ بات کاٹی تھی۔

"اِسکے گارجین کو انفارم کریں۔ لے جائیں اِسے یہاں سے۔"

پہلے اُس نے وارڈن کو جبکہ دوسری بات اُس نے اپنے ساتھ کھڑی ایک اور لیڈی آفیسر کو دیکھ کر کہی تھی۔

"میم پلیز ایسا مت کریں۔ میرے گھر والے کیا سوچیں گے میرے بارے میں۔"

زارو قطار روتی سارہ کو ماں اور بھائی کے متنفر چہرے ابھی سے نظر آنے لگے تھے۔

"یہ تو ایسی حرکتیں کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھانابی۔"

"پتہ نہیں گھر سے پڑھائی کی آڑ میں نکل کر ہاسٹل میں کیا کیا گُل کھلاتی ہے۔ پھر کہتی ہے گھر والے کیا سوچیں گے۔"

طنز بہت سخت تھے۔ سارہ بلبلا اٹھی تھی۔ شمن اور عریشہ کو اُسکی حالت پر بہت افسوس ہو رہا تھا۔

"میم پلیز۔ میری بات کا یقین کریں۔"

"اِسکے کریکٹر سرٹیفکیٹ پر باقاعدہ اِسکے کر توت مینشن کیے جائیں تاکہ یہ مزید کسی ہاسٹل کی بدنامی کا سامان نہ کر

سکے۔"

اُس کی بات سُنے بغیر اُس نے وارڈن کو مزید ہدایت دی۔ سارہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ یہ بیٹھے بیٹھے اُسکے

ساتھ ہو کیا گیا تھا۔ وہ تیزی سے آفیسر کی طرف بڑھی۔

"رُک جاؤ بی بی۔"

"بلا وجہ ہمارا سر کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں جو آرڈر ہیں ہم وہی کریں گے۔"

اُس نے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دو ٹوک انداز میں کہہ دیا تھا۔

"اگرچہ ہاسٹل کی پالیسی کے مطابق ایسی حرکتیں کرنے والے کو نہ صرف ہاسٹل سے بلکہ یونی سے بھی نکال دیا جاتا ہے مگر اسے تم اپنی خوش قسمتی سمجھو کہ تمہیں بس ہاسٹل سے نکلنے کا آرڈر آیا ہے۔"

سارہ کا سر گھومنے لگا تھا۔ آنکھیں بہتی جا رہی تھیں۔ بدنامی کے خوف سے جسم کانپ رہا تھا۔

"زیادہ بک بک کی تو یونی کو بھی انکی اسٹوڈنٹ کے کروت من و عن انفارم کر دیں گے۔"

شمن اور عریشہ اس پریشان کن صورتحال میں گنگ ہو چکی تھیں۔ اور سارہ رو رو کر بے حال ہو رہی تھی۔

"سہیل۔"

اُس نے چوکیدار کو مخاطب کیا۔
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"سب لڑکیوں کے ریکارڈز لاؤ۔ ابھی یہیں ہی اس کے گھر والوں کو بتاتی جاؤں کہ انکی ہونہار بیٹی یہاں پڑھنے کی بجائے کیسے انکا نام روشن کر رہی ہے۔"

"عریشہ، شمن پلیز تم دونوں بتاؤ نا انہیں۔"

وہ روتی ہوئی انکی طرف لپکی۔ دبوسی عریشہ تو نظریں چراگئی جبکہ شمن آگے بڑھی۔

"میم۔ سارہ ایسی نہیں ہے۔ پورا ہوسٹل"

"زبان مت کھولنا لڑکی۔ اگر اس کے نہیں تو پھر تمہارے ہوں گے۔ ورنہ خاموشی سے مان لو کہ تم بھی اسکی حرکتوں کی چشم دید گواہ ہو۔"

اُس نے سختی سے ٹوک دیا۔ ثمن گھبرا گئی۔ مصیبت اُسکے سر بھی آسکتی تھی۔

"ظاہر سی بات ہے ایک کمرے میں رہتی ہو۔ پتہ تو چلتا ہی ہو گا تمہیں کہ کونسے یاروں کے غم بھلانے کے لیے نشے کرتی پھرتی ہے۔"

"میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔"

اتنے سخت الزام پر سارہ نے تڑپ کر کہا۔

"سارہ۔"

اُسے بلکتے دیکھ کر ثمن نے اُسکے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ثمن ہیلپ می پلیز۔" BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ امید بھری نظروں سے اُسے دیکھنے لگی تھی۔

"آئیتم سوری سارہ پر میں کچھ نہیں کر سکتی۔"

وہ شرمندہ تھی۔ پھر کچھ یاد آنے پر اُس نے کہا۔

"لیکن کوئی ہے جو اس معاملے میں تمہارے لیے کچھ کر سکے۔"

سارہ اور عریشہ دونوں چونک کر اُسے دیکھنے لگیں

"عاصم۔"

اُس کے لیے گئے نام پر عریشہ کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں مگر سارہ مزید رونے لگی تھی۔

"نہیں۔ میں اُنہیں کچھ نہیں بتا سکتی۔ وہ کیا سوچیں گے میرے بارے میں۔"

"وہ تم سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے سارہ۔ کچھ نہیں سوچے گا۔ بلکہ وہ تمہاری مدد کر سکتا ہے۔"

کب سے خاموش کھڑی عریشہ نے اس دفعہ اُسے سمجھایا۔

"وہ سینئر ہے سارہ۔ اُسکی ٹیچرز سے بھی اچھی جان پہچان ہے۔"

نمن نے بھی سمجھداری سے مشورہ دیا۔

"اس وقت سارے اختلافات سائیڈ پر رکھو۔ صرف اپنی رپوٹیشن کا سوچو۔"

عریشہ نے نرمی سے سمجھایا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ہاں۔ ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ وہ میرے سب مسئلے حل کرتے ہیں۔"

آنکھیں رگڑتے وہ اٹھ گئی تھی۔ اُسے سب یاد تھا کیسے اُس نے کینیٹین والے کو سارہ پر ادھار لینے کے الزام پر سبق سکھایا تھا۔ اور دو دفعہ اسائنمنٹ نہ جمع کروانے پر جب اُسے ایک ٹیچر نے اپنے مضمون میں فیل کر دیا تھا تو بھی عاصم کی وجہ سے نہ صرف اُسے پاس کیا گیا تھا بلکہ اسائنمنٹ کے نمبر بھی ملے تھے۔ اور جب ایک دفعہ اُسکے ایک فیلو نے سارہ کا نوٹس دینے سے انکار اُس کر اُسکے اہم نوٹس پر کینیٹین میں سب کے سامنے جو گرایا تھا تو عاصم نے اُسکی کیسے درگت بنائی تھی۔ یہ تو وہ کبھی بھول ہی نہیں سکتی تھی۔

"یہ ریکارڈز ہیں میم۔"

چوکیدار کی آواز پر وہ ٹھٹھک کر اپنی سوچوں سے نکلی۔

"میم۔"

"پلیز میری ایک بات سن لیں بس۔"

اُسکی آواز رو کر پھٹ چکی تھی۔ ٹیم کی ایک رکن کو اُس پر ترس آ ہی گیا تھا۔ اُسکی سوالیہ نظروں پر اُس نے بے چینی سے بتایا۔

"میرے گارجین، میرے کزن میرے ساتھ ہی یہاں یونی میں ہوتے ہیں۔ پلیز گھر کال مت کریں۔ میں اُنہیں بلا

لاتی ہوں۔ پلیز آپ اُنہیں بتادیں۔"

"وہ خود میرے گھر بتادیں گے۔ پلیز خدا کے لیے میم۔"

اُس نے حقیقتاً ہاتھ جوڑ لیے تھے۔ زہرا اور شرم تک ایسی بات پہنچنے کے تصور سے ہی اُسکی روح فنا ہو رہی تھی۔

"اوبی بی ہم کیسے مان لیں کہ وہ تیرا کزن ہے۔ کچھ اور ہوا یا۔"

پہلے والی ممبر اپنے مخصوص سخت لہجے میں پوچھ رہی تھی کہ اُس نے تڑپ کر بات کاٹی۔

"آپ چاہے میم ضوبیہ سے پوچھ لیں۔"

"سہیل بھائی سے پوچھ لیں۔"

اُس نے بے قراری سے وارڈن اور چوکیدار دونوں کی طرف اشارہ کیا۔

"پچھلے دو سالوں سے وہی میرے گارجین کے طور پر آتے ہیں یہاں۔ میرے گھر والوں نے اُنکی کنفرمیشن دے رکھی ہے۔"

"میم ضوبیہ پلیز بتائیں انہیں۔"

اُس نے خاموش کھڑی وارڈن سے کہا۔

"سہیل بھائی خدرا میری مدد کریں۔"

وہ التجاؤں پر اتر آئی تھی۔

"جی میم۔ یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

وارڈن سے پہلے وہ کم عمر چوکیدار بولا تھا۔ اُسکی عاصم سے اچھی جان پہچان تھی۔ وہ اکثر سارہ سے ملاقات کے بہانے آتا تو اُسکی جیب خوب بھر کر جاتا تھا۔ چوکیدار سے شہادت ملنے پر ساری ٹیم کی نظریں وارڈن کی طرف گئیں۔ کچھ بولنے کی اجازت مل جانے پر وارڈن نے شکرا ادا کیا اور فر فر بولنے لگی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یس میم۔ عاصم زوار فائنل ایئر کے اسٹوڈنٹ ہیں۔ سارہ طلال کے بھائی نے گارجین میں چوتھے نمبر پر اُنکا نام درج کروایا ہوا ہے۔ بہت اچھے اسٹوڈنٹ اور اچھے انسان ہیں۔ ایون سارہ طلال کے باقی فیملی ممبرز بھی بہت اچھے ہیں۔"

وارڈن کے تفصیلی جواب پر ساری ٹیم ایک دوسرے کو دیکھنے لگی تھی۔ سارہ نے تشکرانہ نظر وارڈن پر ڈالی۔

"اوکے۔ اُسے لے کر میرے آفس میں آؤ۔"

خاموش نظروں کے تبادلے کے بعد اُن میں سے ایک نے فیصلہ کُن انداز میں کہا۔

"آدھے گھنٹے میں تم اپنے گارجین سمیت میرے آفس میں موجود ہو ورنہ تمہارے گھر کال کرنے سے پہلے میں تمہاری رپورٹ یونی کو فارورڈ کر دوں گی۔"

پہلے والی کی سختی اب بھی برقرار تھی۔

"تھینک یو میم۔"

"تھینک یو سوچی۔"

سارہ کے لیے تو جیسے خوشی کی نوید تھی۔ وہی عاصم جس کا وہ کچھ دنوں سے نام تک نہیں سُننا چاہ رہی تھی آج اُسی کا نام اُسکے لیے نجات کا باعث بننے والا تھا۔ اور یہ بس اُسکا خیال ہی تھا۔

Safar-e-Adab

"میم ضوبیہ میں یونی جاؤں؟"

بہتی آنکھیں صاف کرتی وہ وارڈن کی طرف لپکی۔

"آپکا یونی ٹائم نہیں اس وقت۔ اس لیے آپکو ہاسٹل سے نکلنے نہیں دیا جاسکتا۔"

"آپ کال کر لیں انہیں۔"

وارڈن نے سنجیدگی سے کہا۔ سارہ نے سر ہلایا۔ عاصم کے نمبر پر کال ملائی تو اُسکا نمبر بند جا رہا تھا۔

"میم اُنکا نمبر بند جا رہا ہے۔"

اُس نے تشویش سے بتایا۔ وارڈن نے اجازت طلب نظروں سے ٹیم کی طرف دیکھا۔

"جانے دیں ضوبیہ۔"

سارہ کے مایوس چہرے پر شاید ترس کھالیا گیا تھا۔ اجازت ملنے پر وہ اپنی چادر لے کر تیزی سے نکل گئی۔ چوکیدار بھی خاموشی سے اُسکے پیچھے نکل گیا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگ رہی تھی جب وہ پیچھے پیچھے چلا آیا۔

"رکیں سارہ باجی۔ میں چھوڑ دیتا ہوں آپکو یونی تک۔"

وہ عاصم ہی کی وجہ سے سارہ کو ایسی مراعات دیتا رہتا تھا۔ باہر سے کھانا منگوانا، رات گئے آرڈر کی چیزیں وارڈن سے چھپ کر اُنکے کمرے تک پہنچانا، وقت بے وقت نوٹس اور پیپر ز نوٹو کا پی کروانا، یونیورسٹی کی لائبریری سے کتابیں لا کر دینا اور بھی بہت سے ایسے کاموں میں وہ اُسکا ساتھ عاصم کے کہنے پر ہی دیتا تھا۔ اب بھی وہ اُسکی روتی دھوتی حالت دیکھ کر اُسکے ساتھ گیا تھا۔ اُسے یونیورسٹی کے اندر تک چھوڑ کر وہ واپس چلا گیا تھا۔ سارہ تیز قدموں سے اُسکے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھی۔ اُسکے کلاس روم کے باہر پہنچ کر وہ رُک گئی تھی۔ اندر لیکچر ہو رہا تھا۔ اُس نے ایک دفعہ جھانک کر اندر دیکھا پر وہ نظر نہیں آیا تھا۔ البتہ اُسے دیکھنے والی سب نظریں چونکی ضرور تھیں۔ یہ بات اتنی پریشانی کے باوجود بھی سارہ نے محسوس کی تھی۔ اُسی لمحے موٹے چشموں والا سیدھا سادا لڑکا ٹیچر سے اجازت لیتا بھاگا چلا آیا۔

"ہیلو جونیر۔ آپ اس وقت یہاں؟ سب خیریت ہے؟"

اُس کے لہجے میں غیر معمولی احترام تھا۔ پر فی الوقت وہ دھیان نہیں دے سکی تھی۔

"وہ، عاصم کہاں ہیں؟"

بے چینی سے پوچھا۔

"وہ تو اپنے گروپ کیساتھ لاسٹ لیکچر اٹینڈ کیے بغیر ہی چلا گیا ہے۔"

اُس نے چشمہ درست کرتے، بغیر اُسکی طرف دیکھے بتایا۔

"کہاں گئے ہیں آپ کو کچھ معلوم ہے؟"

اُس کا اضطراب اب بڑھ گیا تھا۔ اگر وہ یونیورسٹی میں نہ ہوا تو وہ کیا کرے گی؟ کہاں جائے گی؟

"پرانی لائبریری میں ہوں گے وہ سب۔"

چشمے والے نے کچھ سوچ کر بتایا۔ سارہ کو تھوڑی ڈھارس بندھی۔

"وہ تو بند ہو چکی ہے اب۔"

اُس کے الفاظ بے ساختہ تھے۔

"جی بالکل۔ اس لیے آپ کا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے۔"

اُس نے بھی فوراً منع کرتے مشورہ دیا۔

"آپ کال کر لیں اُسے۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"نہیں مجھے ابھی ہی اُن سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ پر نمبر بند جا رہا ہے۔"

کہتے کہتے وہ تیز قدموں سے راہداری سے نکلنے لگی۔

"سنیں جو نئیر۔ میں کسی اور۔"

اُس نے اپنے پیچھے اُسکی آواز سُنی۔ وہ اُسے ہر حال میں وہاں جانے سے روک دینا چاہتا تھا کہ اچھے سے جانتا تھا عاصم کا

گروپ وہاں کیا کارنامہ سرانجام دے رہا ہو گا۔ مگر سارہ اُسکی بات سننے کے لیے بھی نہیں رُکی تھی۔ اُس نے دیکھا

راہداری کے آخری سرے سے وہ بھاگنا شروع کر چکی تھی۔ وہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا۔

سارہ بغیر رُکے پرانی لائبریری کی طرف بھاگ نکلی جو تیسری منزل پر تھی۔ یہ لائبریری چھوٹی ہونے کی وجہ سے بند کر دی گئی تھی۔ وہ اور اُسکے دوست وہاں تک کیسے پہنچے، اُسے یہ سب جاننے میں دلچسپی نہ تھی۔ تیسری منزل پر پہنچ کر وہ ہانپنے تک کے لیے نہیں رُک تھی۔

لائبریری سے کچھ قدم دور ہی وہاں سے آتے قہقہوں کی آواز پر اُسکا اضطراب کچھ کم ہونے لگا تھا کہ عاصم وہیں موجود تھا اور ابھی اُسکے ساتھ جا کر اُسکا مسئلہ حل کر دے گا۔ مگر اندر سے آتی باتوں کی آواز اس قدر روح فرسا اور جان گسل تھی کہ سارہ کا اپنے قدموں پر کھڑے رہنا مشکل ہو گیا۔ یعنی جسے وہ اپنا مسیحا سمجھ کر مدد طلب کرنے آئی تھی، اُسی نے اُس کی پشت پر وار کیا تھا؟



BEING THE STRING OF YOUR KITE

لکڑی کی میزوں کے گرد بیٹھے وہ چھ لڑکے تھے۔ اور سب ہمیشہ کی طرح گروپ کی صورت بیٹھے اپنے اپنے شغل میں مصروف، ساتھ باتیں بگھا رہے تھے۔ عاصم اور بنٹی سگریٹ پی رہے تھے۔ اُن سب میں بس یہی دو لڑکے معقول لگ رہے تھے۔

"یار گھر جاتا ہوں تو بور ہو جاتا ہوں۔ جن دنوں وہ تھی میں گھر میں رہنا کتنا انجوائے کرتا تھا۔"

یہ عاصم کی آواز تھی۔ بنٹی نے ناگواری سے اُسے دیکھا۔ اُسے سخت ناپسند تھا جب وہ سارہ کے متعلق اُن سب آوارہ لڑکوں کے درمیان بات کرتا تھا۔ اُسکی ناپسندیدگی کا بھی اُس نے کوئی اثر نہیں لیا تھا۔

"تو میرے یار خوش ہو جا۔ اب تیرے انجوائے کرنے کے دن پھر سے آرہے ہیں۔"

ٹونی نے سفید کاغذ میں پاؤڈر ڈال کر اُس کو سگریٹ کی شکل میں لپیٹتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

اُس نے سگریٹ کے کش بھرتے ہوئے پوچھا۔

"پچھلے بیس پچیس دن سے تو یہی آہیں بھر رہا ہے کہ وہ تیرا گھر چھوڑ کر ہاسٹل آگئی ہے۔"

"تو؟"

اُس نے تیوری چڑھائی۔ وہ اُن سب کے درمیان بیٹھ کر سارہ کے متعلق بات بھی کرتا تھا اور اُن سب کا سارہ کے موضوع پر دلچسپی لینا بھی اُسے شدید ناگوار گزرتا تھا۔

"تو پچھلے ایک مہینے سے ہی تو کوئی طریقہ ڈھونڈ رہا تھا اُسے واپس گھر بلانے کا۔"

اُس نے مزید کہا۔ جو جو اُسکی معنی خیز باتوں پر ہنسی دبا رہا تھا جبکہ بنٹی نا سمجھی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں ڈھونڈتو رہا تھا پر لگتا ہے اس دفعہ میری دال نہیں گلنی۔"

عاصم نے مایوسی سے کہا۔

"او تو سمجھ تیری دال گل چکی ہے۔"

اُس نے کاغذ کوناک کے قریب کرتے بتایا۔ جو جو کے سوا سب ہی سوالیہ نظروں سے اُسکی طرف دیکھنے لگے تھے۔
 "تیرا یار ہے نا؟"

"او تم لوگوں کا ٹوٹی ہوئی ہے نا تمہارے مسئلے حل کرنے کے لیے۔"

اب وہ نتھنے بھلا کر پاؤں سو گھٹتے، آنکھیں بند کیے بڑی مسرت سے کہہ رہا تھا۔

"تو سمجھ ہو گیا تیرا مسئلہ حل۔ کر دیا بندوبست تیری حسینہ کا۔"

"تیرا کیا لنگ ہے اُس سے؟"

ہمیشہ کی طرح وہ آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ بنٹی اب بھی اُسے ناگواری سے دیکھ رہا تھا۔ جس نے خود ہی اس موضوع پر بات شروع کی تھی۔

Safar-e-Adab

"نہ نہ یار۔ غصہ نہیں کرنا۔"

اُس نے نفی میں سر ہلایا۔ BEING THE STRING OF YOUR KITE

"چل کر لے غصہ۔ ویسے بھی جیسے ہی تو میرا کمال سنے گا مجھے بڑے پیار سے گلے لگائے گا۔"

یہ کہتے اُس نے اپنا شانہ خود ہی تھپتھپایا۔

"کیا کمال؟"

عاصم نے پیروں تلے سگریٹ مسل کر بھنویں سکیڑے پوچھا۔

"او سیم میرے یار۔ تو چھوڑ ٹوٹی کو۔ میں بتاتا ہوں تجھے۔"

ٹوٹی کو مزید سنسنی پھیلانے کے موڈ میں دیکھ کر جو جو نے مزے لے کر کہنا چاہا۔

"تو نے کہا تھا کسی طرح سار"

"نام نہیں لینا اُسکا۔"

اُس نے اُسکا گریبان جالیا۔ سب سے زیادہ سارہ کے متعلق جو جو ہی بات کرتا تھا۔ اُسے اُسکی سارہ میں دلچسپی معلوم ہونے لگی تھی۔

"تیرا منہ توڑ دوں گا۔"

وہ غرایا تھا۔

"اب بتا کیا کیا ہے اس کمینے نے؟"

اُس نے اُسکے گریبان پر گرفت مضبوط کرتے سر دلچے میں پوچھا۔ وہ کسی بھی وقت اُسکا گلا دبانے سے گریز نہیں کرتا۔ جو جو نے تھوک نگل کر تمیز سے بتانے میں ہی عافیت جانی۔

"سیم اس نے ابھی مجھے تھوڑی دیر پہلے بتایا ہے۔ میرا کوئی قصور نہیں اُس سب میں۔ تو چاہے کسی کی بھی قسم لے لے۔"

گلے میں ابھرتی گلٹی بمشکل نگلتے اُس نے پہلے ہی اپنے بچاؤ کے لیے راہ ہموار کرنا چاہی۔

"میں پوچھ رہا ہوں کیا کیا ہے؟"

اُس نے اُسکا گریبان سختی سے جھٹک کر پوچھا۔

"تُو پچھلے کچھ دنوں سے اُسکے اپنے گھر رہنے کو مِس کر رہا تھا تو ٹونی نے تجھے خوش کرنے کے لیے آج اُس کے کمرے کی الماری میں صفائی کرنے والی سے ڈھیروں ڈر گزر کھوائے ہیں۔ اُس وقت وہ اور اُسکی روم میٹس یونی میں تھیں۔"

اِس دفعہ اُس نے سارہ کا نام لینے سے پرہیز کیا تھا۔ اُسکے انکشاف پر ٹونی کے علاوہ باقی سب وجودوں پر بجلی گری تھی۔ عاصم کا خون کنپٹیاں ٹھوکنے لگا تھا۔

"پھر اِس نے ڈین سے کہلو کر انکوائری ٹیم بلوائی اور ٹیم نے اُسکے روم پر دھاوا بولا۔ یہ اب سے چالیس منٹ پہلے کی بات ہے۔ اِسے ابھی کسی مخبر کا میسج بھی موصول ہوا ہے۔ ٹیم نے اُسکی بہت بے عزتی کی ہے۔ اُسکے کریکٹر کو سوالیہ نشان بنا کر ہاسٹل سے نکال دیا ہے۔"

وہ جیسے جیسے بتا رہا تھا عاصم کی دنیا تہہ و بالا ہو رہی تھی۔ کیا گزر رہی ہو گی سارہ پر؟ یہ خیال دِل چیر رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی بات پر رونے والی سارہ کا اِس سب کے بعد کیا حال ہوا ہو گا؟

"بے غیر تو محبت کرتا ہوں اُس سے پر اُسکے ساتھ یہ سب نہیں چاہتا تھا۔ میں نے بس مشورہ مانگا تھا اور تُو نے میری زرا سی بات پر یہ سب کر دیا۔"

وہ اُسے دور دھکیلے اُن دونوں پر دھاڑا تھا۔ بنٹی کو اُن سب سے زیادہ عاصم پر غصہ آتا تھا۔ جس نے سارہ نام کے جھنڈے ہر طرف لگا کر اُن سب کو سارہ کا مذاق بنانے کا گھلا موقع دے رکھا تھا۔

"اُسکے بارے میں یہ پلاننگ کرنے کی تیری ہمت کیسے ہوئی ٹونی۔"

اُس نے غصے سے پاگل ہوتے ٹوٹی کے سامنے رکھی میز الٹ دی تھی۔ وہ ہولناق بنا اُسے دیکھنے لگا تھا جبکہ جو جو، جو عاصم کے دھکے سے زمین پر گر اہوا تھا اب سر جھٹکتے اپنی کپڑے جھاڑ رہا تھا۔

"سیم۔"

عاصم کے غصے سے وہاں چھائی خاموشی کو بنٹی کی سرسراتی آواز نے توڑا۔

"سیم، وہ آئی ہے۔"

عاصم کے متوجہ نہ ہونے پر اُس نے آگے بڑھ کر اُسکا شانہ ہلاتے متوجہ کیا۔ اُن سب میں سے کسی ایک کو بھی یہ جاننے میں دقت نہیں ہوئی تھی کہ بنٹی نے کس کی آمد کا بتایا ہے۔ وہ سب ایک ساتھ گھومے تھے۔ دروازے پر وہی کھڑی تھی۔ بے یقین چہرہ لیے، جو زلزلوں کی زد میں دکھائی دے رہا تھا۔ یعنی وہ سب سُن چکی تھی۔

"سارہ۔"

وہ بے چینی سے اُسکی طرف لپکا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"مم، میں تو یہاں مدد کے لیے آئی تھی۔ مگر وہ سب۔"

بے یقین بے حد مدھم آواز۔ اُسکا اشارہ عاصم کی طرف تھا۔ مگر ادھوری چھوڑی بات کا مطلب واضح تھا۔ عاصم کی روح فنا ہونے لگی تھی۔

"نہیں۔ تم غلط سمجھ رہی ہو سارہ۔"

وہ اُس کے مقابل کھڑا اپنی بے گناہی بتانا چاہ رہا تھا۔ مگر وہ متوجہ نہیں تھی۔ اُسکا صدمہ بڑا تھا۔ جلدی ختم ہونے والا نہیں تھا۔

"تم نے۔"

اُس کا اشارہ اب ٹونی کی طرف تھا۔ آنسو آواز دبا رہے تھے۔ وہ سب ہی اُن دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آنکھ سے بہتے آنسو وہ بے دردی سے صاف کر رہی تھی مگر روک نہیں پارہی تھی۔

"میں، میں تمہارا وہ حشر کرواؤں گی کہ"

سارہ کو جانے کیا ہوا کہ یکدم اُسکا منہ نوچنے کو جارحانہ انداز میں اُسکی طرف بڑھی۔

"اے لڑکی!!"

اُسی دم اُسکا ارادہ سمجھتے تیمور نے اُسے بُری طرح خود سے دور دھکیلا۔ وہ منہ کے بل گر جاتی اگر عاصم تیزی سے اُسکو گرنے سے نہ بچا لیتا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"میں سیم نہیں ہوں جو تیری بد تمیزی خاموشی سے برداشت کر لوں گا۔"

وہ انگلی اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ باقی تماشا یوں کے حیرت کے مارے منہ کھلے ہوئے تھے۔ عاصم جو خوف سے لرزتی سارہ کو سہارا دے رہا تھا اُسے وہیں چھوڑے تیمور پر پل پڑا۔

"تو نے ہاتھ بھی کیسے لگایا اُسے۔"

اُسکی ناک پر زبردست گھونسا رسید کیا گیا تھا۔

"تُو نے دیکھا نہیں وہ کیسے میرے گریبان کو آرہی تھی۔ جانتا ہے ناکون ہوں میں۔"

نتیجاً وہ غرایا تھا۔

"سالے اس چھٹانک بھر کی چھو کری کے پیچھے اپنی پرانی یاری خراب کرے گا۔"

اپنی ناک سہلاتے وہ چلا رہا تھا۔

"تُو نے غلط کیا ٹوٹی۔ یہ بس اُسکاری ایکشن تھا۔"

عاصم دبے دبے لہجے میں غرایا۔

"میرے کیے کو غلط کہنے والا آج تک پیدا نہیں ہوا اور تُو نے اس لڑکی کے پیچھے۔"

عاصم کی گرفت ڈھیلی پڑنے پر وہ مزید چلانے لگا تھا۔

"مسئل دوں گا اسے تو میرا کیا بگاڑ لے گا سالے؟"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

تیمور سے کچھ بعید بھی نہیں تھا۔ یہ سارہ کے سوا وہاں موجود ہر شخص جانتا تھا۔ عاصم کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔ سارہ کی یہ جرات سارہ کو ہی مہنگی پڑ سکتی تھی۔

"اُسکی بات مت کر ٹوٹی۔"

عاصم نے سختی سے کہا۔ آواز البتہ دھیمی تھی۔

"تُو جانتا ہے نامیں اُسکے بارے میں"

"سُن سُن کر پک گئے ہیں کہ وہ تیری پر اپرٹی ہے۔"

عاصم کو پرے دھکیلتے وہ بیزاری سے بولا۔ سفید پڑتی خوف سے لرزتی سارہ کو دیکھ کر جو جو اس سب میں مزہ آنے لگا تھا۔

"تیری یاری کے چکر میں، میں نے سیدھا اس کا کام تمام کروایا اور تُو میرے منہ کو آرہا ہے۔"

"ابے ہے کیا اس سا"

وہ گالی بک دیتا اگر عاصم ایک دفعہ پھر اُسے دبوچ نہ لیتا۔

"تیری ہمت کیسے ہوئی۔"

وہ دونوں اب ٹھیک ٹھاک ایک دوسرے کا حشر کر رہے تھے۔ سارہ منہ پر ہاتھ رکھے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"یار چھوڑو دونوں۔"

"اپنی دوستی تو نہ خراب کرو۔" BEING THE STRING OF YOUR KITE

بنٹی نے آگے بڑھ کر دونوں کو جدا کیا۔

"یہ بات اس کمینے کو سمجھا۔ اسے سمجھا۔"

عاصم نے اپنے بالوں اور کپڑوں پر ہاتھ چلاتے درشتی سے کہا۔ اُس کا غصہ حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ کچھ ایسا ہی حال تیمور کا بھی تھا۔

"سیم میں لے جاتا ہوں انہیں۔"

"تو اُسے دیکھ۔ بہت زیادہ ڈر گئی ہے۔"

بنٹی نے اُسکے قریب سرگوشی کی تو وہ چونک کر پلٹا۔ سارہ کی حالت دیکھ کر اُسکا دل بُری طرح دُکھاتا تھا۔

"سارہ۔"

وہ بے اختیار اُسکی طرف لپکا۔ اُسے شانوں سے تھامنے کی کوشش کی مگر وہ قدم گھسیٹی پیچھے ہو گئی۔

"دور۔"

"دور رہو مجھ سے۔"

الفاظ اُسکے لبوں سے سرگوشی کی صورت نکل رہے تھے۔ مغالطات بکتے تیمور کو اور تماشا دیکھتے جو جو کو وہ بمشکل باقی دو کی مدد سے زبردستی باہر لے گیا تھا۔

"میرا کیرئیر، میری عزت، میرا کریکٹر اور..... میری زندگی سب برباد کر دیا تم نے۔"

صدمے کے زیرِ اثر اُسکی آواز کم تھی۔ عاصم کو اپنے آپ پر ہی غصہ آنے لگا تھا۔

"مجھے شمن نے کہا عاصم سے مدد مانگو مگر تم نے خود یہ سب کروایا۔"

اُسکی گیلی آواز اور شدید بدگمانی عاصم کا دل چیر رہی تھی۔

"میں نے نہیں کروایا۔"

اُس نے آہستہ آواز میں خود کو کہتے سنا۔ جانتا تھا اب اُس پر یقین نہیں کیا جائے گا۔

"تم اپنے دو نکلے کے آوارہ دوستوں میں بیٹھ کر مجھے ڈسکس کرتے ہو۔ اور مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو۔"

خاموشی سے بہتے آنسو وہ ہاتھوں کی پشت سے رگڑتی جا رہی تھی۔

"اُسکی لینگویج دیکھی تھی وہ کیسے میرے بارے میں بکواس کر رہا تھا۔ اُنہیں اتنی چھوٹ دی تم نے!"

"اُنہیں میرے معاملات میں انوالو کروایا تم نے!"

سپاٹ، بے حد سرد انداز میں وہ اُسے حقیقت کا آئینہ دکھا رہی تھی۔ یہی بات اُسے بنی بھی بارہا سمجھا چکا تھا مگر اُسے آج، ابھی سمجھ آئی تھی۔

"میری کتنی انسلٹ ہوئی آج۔ انہوں نے مجھے کریکٹر لیس کہا، کہا کہ میں یونی کی آڑ میں ناجانے کیا کیا گل کھلاتی ہوں۔"

Safar-e-Adab

یہ کہتے ہوئے اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں اپنے گارجین کو لینے آئی۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"میں تمہیں لینے آئی۔ کہ بھائی کو، امی کو نہ پتہ چل جائے کہ اُنکی سارہ"

اور پھر اُسکا ضبط ٹوٹ گیا۔ وہ بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

"تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔"

"میری کوئی عزت نہیں رہی۔"

وہ مٹی سے اُٹی زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

"میں کہاں منہ چھپاؤں گی اللہ جی۔"

چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ سب کچھ چھن جانے کے خوف سے سسک رہی تھی۔ عاصم کے دل پر ہاتھ پڑا۔ ماں اور بھائی کی لاڈلی یوں بے آسرا بالکل اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ زرا زرا اسی پریشانی پر ماں کو بلانے والی، اب خود پر لگا الزام ماں کو ہی بتانے سے خوفزدہ تھی۔ وہ اُس کے پاس آئی تھی۔ بڑی امید لے کر آئی تھی۔ ایسے میں اگر اُس سے محبت نہ بھی ہوتی تب بھی وہ اُسکی مدد ضرور کرتا اور اب تو معاملہ ہی الگ تھا۔ آج پہلی دفعہ اُسکا رونا ماں اور بھائی کے بلاوجہ لاڈ پیار کی وجہ سے نہیں لگ رہا تھا۔

"سارہ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔"

وہ لپک کر اُسکے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا تھا۔

"سب بالکل ویسے جیسا پہلے تھا۔ میں تمہاری بے گناہی ثابت کروں گا۔"

"پلیز ایسے مت رو۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اُسکے ہاتھ تھامنے کی کوشش کرتے اُس نے بڑی نرمی سے کہا۔

"میں ڈین کے پاس جاؤں گی۔ تمہاری اور تمہارے آوارہ دوستوں کی سازش کا پردہ فاش کروں گی۔"

نفی میں سر ہلاتے وہ اُسکے ہاتھ جھٹک کر ایک عزم سے اٹھ گئی۔ اب جب عاصم والا در بند ہو گیا تھا تو اُسے خود ہی اپنے لیے کچھ کرنا تھا۔

"دیکھنا ایسی سزا دلو اؤں گی کہ میرا نام لیتے ہوئے بھی سو بار سوچو گے۔"

وہ بار بار گال رگڑ کر آنسو صاف کر رہی تھی۔

"سارہ میری بات سنو۔"

اُسکے تیزی سے پلٹ کر لائبریری سے باہر نکل جانے پر وہ بھی پھرتی سے اُسکے پیچھے لپکا۔ اُسکا ڈین کو شکایت کرنے کا خیال سن کر ہی اُسکی جان نکلنے لگی تھی۔ وہ لڑکی ہمیشہ کی طرح خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے جا رہی تھی۔

"سارہ۔"

"سارہ۔"

وہ اُسکے پیچھے پکارتا جا رہا تھا مگر وہ رُکی نہیں تھی۔ بالآخر اُسے راہداری میں اپنے سامنے آکر اُلٹے قدموں اپنے سامنے چلتے دیکھ کر وہ سختی سے بولی۔

"دور رہو مجھ سے۔ میں شکل نہیں دیکھنا چاہتی ایسے شخص کی جس نے میری عزت کا جنازہ اٹھوایا۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"خاموش۔"

اچانک اُسے خود شانوں سے پکڑے روک کر وہ غرایا تھا۔

"ڈین کے پاس جاؤ گی؟ ہاں؟"

سختی سے بولتا وہ سارہ کو اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"جانتی بھی ہو کہ ڈین کون ہے؟"

اُس نے سر دلچے میں پوچھا۔

"جس کا ابھی تم نے بے سوچے سمجھے گریبان پکڑا جانتی ہو وہ کون ہے؟"

وہ پہلے سے بھی زیادہ سختی سے پوچھ رہا تھا۔

"کوئی بھی ہو مجھے پروا نہیں!"

بھگی آواز میں وہ لاپرواہی سے بولی۔ اگر کسی نے اُس کا نہیں سوچا تھا تو پھر وہ بھی کیوں کسی کا سوچے؟

"پر مجھے پروا ہے سارہ۔"

یکدم وہ ڈھیلا پڑا تھا۔ اُسے لمحوں میں تاثرات اور انداز بدلنے میں ملکہ حاصل تھا۔

"وہ ٹونی، تیمور چوہدری یونی کے چیئرمین افتخار چوہدری کا بیٹا ہے۔ اور وہ ڈین، ارشد چوہدری۔ جس کے آفس میں

بڑے دھڑلے سے جارہی ہو اُس کا بھتیجا ہے وہ۔"

"تمہیں لگتا ہے کہ وہ اپنے بھتیجے کو چھوڑ کر تمہاری حمایت، تمہاری دلجوئی کرے گا۔ یہ قوف لڑکی وہ تمہیں مزید بدنام

کرنے پہ تُل جائے گا۔" BEING THE STRING OF YOUR KITE

سارہ کے اعصاب پر جیسے بجلیاں گری تھیں۔ اُس سے کچھ بہت غلط ہو گیا ہے یہ خیال بڑی شدت سے آ رہا تھا۔

"جانتی ہو یہ سب کتنے خطرناک ہیں؟ ڈرگ مافیا، اسمگلنگ مافیا اور بھی جانے کیسے کیسے دھندوں میں ملوث ہیں۔"

"معلوم بھی ہے کہ وہ ڈین ہے کون؟ زرین بھابھی کے شوہر خضر کا قاتل۔"

اور یہاں تو سارہ کے پیروں تلے سے زمین حقیقی معنوں میں کھسک گئی تھی۔

"میں نے اُسے۔"

"میں نے غصے میں وہ سب کر دیا عاصم۔"

اُس نے بمشکل کہا۔ اپنے گناہ کا اعتراف کیا تھا۔ نا کردہ گناہ کا الزام تو پہلے ہی لگ چکا تھا اب والا گناہ تو پھر کردہ تھا۔

"ووہ..... وہ تو مجھے بھی مار ڈالیں گے۔"

پہلے والی فکر کے ساتھ اُسے نئی فکر لاحق ہوئی۔

"مجھے بچالیں۔"

"مجھے نہیں پڑھنا یہاں۔ نہیں رہنا۔"

"گھر چھوڑ آئیں۔ امی کے پاس۔ میں بتادوں گی اُنہیں سب۔"

"پلیز۔"

عاصم کو کچھ بولتے نہ دیکھ کر اُس نے التجا کی تھی۔ آنسو پہلے ہی نہیں رُک رہے تھے اب تو پھر موقع مل گیا تھا۔

"سارہ یار ریلیکس کرو۔ کچھ نہیں ہوتا۔ میں ٹونی سے بات کرتا ہوں کہ سارا میس وائینڈ آپ کرے۔"

وہ کچھ سوچ کر بول رہا تھا۔

"اِس سب کا یہ حل نہیں ہے۔ لیکن تم فکر نہ کرو میں سب سنبھال لوں گا۔"

"آپ کیسے سنبھالیں گے؟ آپ نے تو خود بگاڑا ہے۔"

اُسے اچانک یاد آیا کہ سب کچھ کرنے والا بھی تو خود وہ ہی تھا۔

"سارہ میں نے کچھ نہیں کیا یا۔ لیکن میں ٹھیک کر دوں گا۔"

اُسکے گال سے ہتھیلی جوڑے اُس نے بڑی عاجزی سے کہا۔

"نہیں۔ مجھے کچھ ٹھیک نہیں کروانا۔ اب کچھ ٹھیک نہیں ہو گا۔ میرا سب کچھ میرے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ مجھے واپس بھیجیں۔"

"بلکہ میں، میں جا کر سب کنفیس (اعتراف) کر لیتی ہوں۔ اچھا ہے مجھے نکال دیں گے۔ مجھے نہیں رہنا۔"

عاصم کو کچھ سوچنے کا موقع دیے بغیر وہ روتے ہوئے کچھ بھی اول فول بولتی چلی جا رہی تھی۔

"سارہ۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ ہوش سے کام لو۔ تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ میں سب سنبھال لوں گا۔"

سارہ سے ایسی امید کی جاسکتی تھی۔ وہ اُسے اچھے سے جانتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے اپنے پیروں پر خود ہی کلہاڑی مارنے کی شوقین تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کسی سے مت ڈرو۔ بس مجھ پہ بھروسہ رکھو۔"

"جیسا بھی ہوں کم سے کم تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

اُسکا کندھا تھپکتے اُس نے محبت اور نرمی سے کہا۔

"آپ پہنچا چکے ہیں!"

اُس نے روتے ہوئے شکوہ کیا۔ سب اپنے کانوں سے سُن کر بھی وہ اُسی کو الزام دے رہی تھی۔ بلکہ ساری زندگی دینے والی تھی۔ عاصم نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ میں نے مان لیا۔ میں تلافی کرنے کو تیار ہوں۔ بس مجھ پہ چھوڑ دو۔"

اُس نے مصالحت آمیز انداز اپنایا۔

"چلو میرے ساتھ۔"

"چلو سارہ۔"

اُسکے کہنے پر بھی وہ نہ ہلی تو عاصم خود ہی اُسکا ہاتھ پکڑے اپنے ساتھ لے جانے لگا۔ مضبوط قدموں سے چلتے ایک ہاتھ سے سارہ کی کلائی پکڑے اور دوسرے سے کسی کو فون ملارہا تھا۔

"ٹوٹی کو بول اُس نے جو کیا غلط کیا لیکن اب اگر اُسے ہماری دوستی کی ذرا بھی پروا ہے تو ابھی ہاسٹل آکر سارہ کو بے گناہ ثابت کروائے۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

کال اٹھائے جانے پر وہ دو ٹوک انداز میں کہہ رہا تھا۔ سارہ جو اپنا ہاتھ چھڑوانے والی تھی چونک کر اُسکی طرف دیکھنے لگی۔ اُسکے ماتھے پر بچھا شکنوں کا جال اور چڑھی ناک اُسکے سخت غصے کا پتہ دے رہی تھی۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

اب کی بار وہ جھنجھلایا۔ تیوری ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ وہ پل میں اپنے تاثرات بدل لیتا تھا۔ اُسکے ساتھ چلتی سارہ پہلی دفعہ اُسے اتنے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"جیسے پہلے پلاننگ کی تھی ویسے ہی دوبارہ پلاننگ کر لے۔ اُسکے لیے تو بڑا آسان ہے۔ چٹکیوں میں سب بگاڑتا اور سنوارتا ہے۔"

اِس دفعہ آواز پھر تیز تھی۔ تیوری دوبارہ چڑھ گئی تھی۔ غصے میں اُس نے شاید مقابل کا جواب بھی نہیں سنا تھا اور کال کاٹ دی۔ اُسے ساتھ لیے بڑے معمول کے انداز میں چلتا وہ جیب میں موبائل ڈال رہا تھا جب سارہ کی خدشوں سے لبریز آواز سنائی دی۔

"آپ نے اُسے کیوں بلایا؟ پلیز اُسے مت بلائیں وہاں۔ وہ میرے بارے میں کیسی باتیں کر رہا تھا۔ وہ مجھے مار دیں گے۔"

وہ سُن کر چو نکا تھا۔ اُسکی بات پر نہیں۔ اُسکے عزت سے بات کرنے پر۔ جب جب اُسے عاصم پر غصہ آتا تھا وہ توتکار کرتی تھی۔ اور جب پیار آتا تھا تب.... پیار؟ اُسکے ضمیر نے فوراً ہی ٹوک دیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

عاصم میاں! یہ پیار ہر گز نہیں ہے۔ وہ تو بس گدھے کو باپ بنا رہی ہے۔

گدھا؟ استغفر اللہ! اُس نے اپنی سوچوں پر لعنت بھیجی۔

"کچھ نہیں کرتا۔ میں ہوں نا۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

وہ جو بھی کر لیتی عاصم کو پھر بھی اُس سے محبت ہی تھی۔

"آپ مجھے امی کے پاس چھوڑ"

یقیناً اب اُس کا دماغ 'امی، امی' پکارنے والا پروگرام پروسیس کرنے والا تھا۔ پہلا سگنل موصول ہونے پر ہی عاصم الرٹ ہوا اور سرعت سے ٹوک دیا۔

"شش پلیز سارہ خاموش ہو جاؤ۔"

"مجھے خاموشی سے دماغ لگانے دو۔"

اُس نے سنجیدگی سے کہا۔ اُس کے بعد سارہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اُسے عاصم کی مدد درکار تھی۔ ایسے میں وہ اُسے بالکل ناراض یا پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر وہ اُسکی پروا کیوں کرے؟

سرکش سوچوں نے سراٹھانے کی کوشش کی۔

ارے بدھو! مصیبت میں تو انسان گدھے کو بھی باپ بنا لیتا ہے۔

ضمیر نے فوراً ہی سرکش سوچوں کا سر کُچل ڈالا۔ اپنے خیالات پر اتنے ذہنی دباؤ کے باوجود بھی سارہ نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ بھگے گال ہاتھ کی پشت سے رگڑتے اُس نے چور نظروں سے اُسکی طرف دیکھا۔

گدھا؟ استغفر اللہ! اُس نے بے ساختہ ضمیر کی سرزنش کی تھی۔

اگر جو دونوں ایک دوسرے کے خیالات جان لیتے تو خوشی سے لبریز ہو جاتے۔ پر سارہ ابھی خوش نہیں ہو سکتی تھی۔ اُس کا مسئلہ بہت سنگین تھا۔ آخر کو عزت خطرے میں تھی۔ خدشے پھر سے سراٹھانے لگے تھے۔ دل پھر گھبرانے لگا تھا۔ اگر عاصم ساتھ نہ ہوتا تو اب تک وہ خوف سے مَرچکی ہوتی۔ پر اب اتنا تو اطمینان تھا کہ اگر وہ ذمہ داری لے رہا ہے تو سب ٹھیک بھی کر دے گا۔

اُس ڈری سہمی سی جھلک نے اُسے آج ایمن کی بُری طرح یاد دلائی تھی۔ گزرے تین سالوں میں وہ جس قدر ذہنی دباؤ کا شکار رہا تھا یہ بس وہی جانتا تھا۔ کس کس طرح وہ ڈپریشن کے دوروں سے گزرتا رہا ہے اس سے شاید گھر کے باقی دو افراد ناواقف تھے۔ یہ اُس کا خیال تھا۔ ایسے حال میں اگر اُسکے پاس پروفیسر زوار کے بیٹوں کا ساتھ نہ ہوتا تو وہ اب تک پاگل ہو چکا ہوتا۔ پروفیسر کے بیٹوں سے اُسکی اچھی بنتی تھی خصوصاً چھوٹے سے۔ چند ایک مزید دوستوں کے علاوہ اس وقت ہونٹوں میں دبائی اُس چیز نے بھی اُسکا بہت ساتھ دیا تھا۔ کمرے کے گھپ اندھیرے میں یکدم ایک جلتا شعلہ دکھائی دیا۔ شعلے کی روشنی نے چند سیکنڈ کے لیے اُسکا چہرہ واضح کیا تھا۔ اور اُن چند سیکنڈ کے دورانیے میں اُس نے ہونٹوں میں دبائی سگریٹ سلگالی تھی۔ ماضی کو سوچتے، ماں اور بہن کو یاد کرتے وہ جس کرب سے گزرا کرتا تھا اگر وہ یہ شغل شروع نہ کرتا تو اب تک شاید مر چکا ہوتا۔ ایک کے بعد دوسری سگریٹ سلگاتے اُس نے سوچا۔ زندگی کتنی حسین ہو ا کرتی تھی۔ پُر سکون، کسی بھی خوف سے پاک۔ مگر اب تو ہر لمحے کوئی نہ کوئی دھڑکا لگا رہتا تھا۔ اُس کا ہر خوف اب مشعال سے جڑا تھا۔ رجاء نے بھی اُسے خوفزدہ کیا تھا۔ جب اُس نے گھر چھوڑ جانے کی بات کی تھی۔ جب ایمن کا کیس بند نہ کرنے کے لیے اُس نے کتنی ضد کی تھی۔ مگر اُس دن کے بعد سے اُس نے رجاء کے لیے خوفزدہ ہونا چھوڑ دیا تھا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اُسکے پاس سے کہیں نہیں جائے گی۔ کہیں جا ہی نہیں سکتی۔ آہٹ پر وہ چونکا۔ فوراً لائٹر روشن کیا تو اب کی بار اندھیرے میں دو چہرے واضح ہوئے تھے۔ ایک اُسکا اور ایک رجاء کا۔ اُس کے سامنے کچھ فاصلے پر کھڑی وہ سنجیدگی سے اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"کیوں آئی ہو یہاں؟"

آج دل اس قدر بوجھل تھا کہ وہ غصے سے چلایا بھی نہیں تھا۔ آج زمانوں بعد اُسکا لہجہ رجا کے لیے بدلاتھا۔ مدھم اور تھکاسا۔ اُسے تشویش ہوئی تھی۔ اُس نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر کمرہ روشن کر دیا۔

"بند کرو لائٹ۔"

وہ جو دس بجے سے اندھیرا کیے بیٹھا تھا اچانک روشنی پر آنکھیں چُندھی کیے اُسے گھور کر بولا۔

"پہلے تم اسے بند کرو۔"

ایک ہاتھ ناک پر رکھے دوسرے سے اُس نے سگریٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"رجاء۔"

اب کی بار وہ غرایا تھا۔ اُسی لہجے میں جو رجا کے لیے مختص تھا۔ وہ اُسکے لیے کبھی نہیں بدل سکتا تھا۔ رجا تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یہ تم کن کاموں میں پڑ گئے ہو؟"

وہ آگے بڑھ آئی تھی۔ اُسکے قریب زمین پر گھنٹوں کے بل بیٹھی وہ تاسف سے کہہ رہی تھی۔

"اپنی زندگی سے، پریشانیوں سے، ماضی سے ایسے فرار چاہتے ہو؟"

اُس نے بڑی بے خونی سے اُسکے ہونٹوں میں دبی سگریٹ نکال کر دور اُچھال دی تھی۔ بالاج نے اُسکا ہاتھ جھٹک کر ناگواری سے اُسکی جرات ملاحظہ کی۔ کچھ دور گرے جلتے سگریٹ کو دیکھ کر اُس نے رجا کو دیکھا۔ وہ جواب طلب

نظروں سے اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔ رجاء کو یقین تھا کہ اب وہ اُسے دھکے دے کر نکالے گا مگر اُسے تنے ہوئے تاثرات آہستگی سے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ خود بھی صوفی کی پشت پر سر گر گیا۔ آنکھیں موندتے اُس نے کچھ توقف سے کہا۔

"میں کوئی فرار نہیں چاہتا۔ بلکہ میں تو خود کو سزا دے رہا ہوں۔"

کیسی سزا بالاج؟

عرصے بعد وہ بالاج کو اپنے سامنے کھل کر کچھ بولتے دیکھ رہی تھی۔ اُس پر اُسکی بھیگی سی آواز۔ وہ تڑپ کر اُسکے دونوں ہاتھ اپنی نرم گرفت میں لیتے بڑی نرمی سے پوچھ بیٹھی۔ اُس نرم گرفت پر بالاج فوراً سیدھا ہو بیٹھا۔ تیزی سے اپنے ہاتھ آزاد کروائے اور بے رخی سے بولا۔

"جاؤ یہاں سے۔ میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

اُس کے لہجے میں آج کچھ الگ سا محسوس ہو رہا تھا۔ کوئی درد تھا جو بوجھل آواز سے ظاہر ہوتا تھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں چیخ چلا بھی نہیں رہا تھا۔ رجاء نے بڑی شدت سے اُسکا کرب محسوس کیا۔

"آج تمہاری سُنے بغیر نہیں جاؤں گی۔ چاہے دھکے دے کر نکالو۔"

وہ ڈھیٹ بنی تھی۔ بالاج نے اُسکا حق جتنا انداز دیکھا تو بے اختیار نظر پڑا گیا۔

"کچھ بولو نا بالاج۔"

اُسکی طویل خاموشی پر رجاء روہانسی ہو گئی تھی۔ آج تین سالوں میں پہلی دفعہ نہ وہ اُسے بھیجنے پر بضد تھا۔ نہ اُسکے سوال کرنے پر چلایا تھا۔ نہ اُسکے حق جتنے انداز پر ناگواری ظاہر کی تھی۔ رجاء کو بالاج کا یہ انداز کھٹک رہا تھا۔ اُسے تو جیسے

اب صرف بالاج کا چیخنا چلانا ہی نارمل لگتا تھا۔ رجاء نے اُسکے گھٹنے پر دباؤ ڈالا۔ وہ چونک کر جانے کن سوچوں سے باہر نکلا تھا اور اُسے اب تک وہیں ٹکے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اُسکے کھوئے سے انداز پر رجاء کا دل دُکھ رہا تھا۔ وہ کبھی ٹوٹا بکھرا نظر نہیں آتا تھا پھر آج ایسا کیا ہو گیا تھا؟

کتنی ہی دیر وہ اُسکے بولنے کی منتظر رہی پر اُسکی چپ نہیں ٹوٹی تھی۔ بالآخر وہ مایوسی ہو گئی۔ اگر آج وہ اُسے زبردستی بھیج کر اُسکی تزیل نہیں کر رہا تھا تو یہ خاموشی بھی اُسکی لا تعلقی کا ثبوت تھی۔

"میں۔"

وہ ناامید ہو کر اٹھنے لگی تھی جب اُسکے کانوں میں بالاج کی مدھم سی آواز پڑی۔ بُری طرح چونک کر اُس نے بالاج کی طرف دیکھا۔ وہ متوجہ نہیں تھا۔ نادیدہ خلاؤں میں دیکھتے وہ کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں لکائے بیٹھا تھا۔

"میں اپنے گھر کا سربراہ تھا۔ ابو والی ساری ذمہ داریاں میرے کندھوں پر تھیں۔ پر میری لاپرواہی کی وجہ سے میری بہن۔"

نم ہوتی آواز پر وہ رُکا تھا۔ اور رجاء جو اب تک اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر پائی تھی کہ بالاج اُس سے دل کی بات کر رہا تھا، اُسکے رُک جانے پر اُس نے تڑپ کر اُس کا چہرہ دیکھا جہاں گہرا ملال تھا۔ کرب اور تکلیف دہ تاثرات اُسکے چہرے پر درج، رجاء کا دل مسل گئے تھے۔

"میں اچھا سرپرست نہیں بن سکا۔ میری بہن میرے ہاتھوں سے نکل گئی اور میں، میں اُس سب سے انجان رہا۔"

"تم نے ایسی کو معاف نہیں کیا اب تک۔"

اُس نے تاسف سے کہا۔ بالاج جیسے متوجہ ہی نہیں تھا۔

"تم نے خود کو بھی معاف نہیں کیا۔"

وہ مزید بولی تھی۔ اُس نے خالی نظروں سے رجا کی طرف دیکھا۔ رجا بے چین ہوئی تھی۔ وہ کبھی ایسے نظر نہیں آیا تھا جیسے اب ہو گیا تھا۔ اضطرابی کیفیت میں وہ اٹھ کر اُسکے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔ عرصے بعد اُسکے قریب بیٹھی تھی اور اُس نے بھی کوئی اعتراض نہیں اٹھایا تھا۔ رجا کی دلیری میں کچھ اضافہ ہوا تو بڑی خاموشی سے اُسکا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

"ایک بات کہوں؟"

جھک کر اُسکی آنکھوں میں دیکھتے نرمی سے پوچھا تھا۔ اُس نے کوئی جواب دیا تھا نہ اُسکے ہاتھ جھٹکے۔ بس اُسے خاموش نظروں کے حصار میں لیے رکھا۔ رجا کو خود ہی بولنا پڑا۔

"جب انسان کی کبھی اپنی عدالت میں پیشی ہو، جب ضمیر انسان کو مجرم بنا کر ماضی کے کسی واقعے پر کٹھرے میں لا کھڑا کرے تو اُسے خود کو معاف کر دینا چاہیے۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

بڑی نرمی اور محبت سے وہ اُسے سمجھا رہی تھی۔

"جب اپنی عدالت میں سزا و معافی کا حق تمہارے خود کے پاس موجود ہے تو خود پر رحم کرو۔ خود کو سزاوار قرار دینے کی بجائے معاف کر دو۔"

سمجھداری کی وہ باتیں جو بالاج کو اُس سے کرنی چاہیے تھیں۔ کمزور عورت کی حیثیت سے جن کی اُسے ضرورت تھی وہ بالاج کو سمجھا رہی تھی۔ شاید وہ اب واقعی سمجھا رہی ہو گئی تھی۔ بالاج نے سوچتے ہوئے آرام سے اپنا ہاتھ اُسکی گرفت سے نکال لیا۔

"ایک ہی روز آتی ہے میرے خواب میں۔ روتی ہے۔ کہتی ہے تم اُسے معاف نہیں کرتے۔"

اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھتے وہ کافی لمبے وقفے کے بعد بولی تھی۔ بالاج کی خاموشی ہنوز قائم تھی۔

"میرے ساتھ اتنا سب ہوا۔ میں نے کبھی ایک کو اُسکا قصور وار نہیں ٹھہرایا۔ نہ ہی کبھی ٹھہراؤں گی۔ کیونکہ میں اُس سے محبت کرتی ہوں۔ محبت میں تو سب خطائیں معاف ہوتی ہیں۔"

بالاج کو لگا جیسے وہ سب کچھ اُسے جتا رہی تھی۔

"جب مجھے اپنی بہت سی غلطیوں کا احساس ہوا۔ میں نے انہیں تسلیم کیا۔ کتنا عرصہ اُن پر پچھتاتی رہی۔ خود کو کوستی رہی، شکوے کرتی رہی۔ نتیجتاً پریشان رہی۔ پھر ایک وقت آیا میں نے خود کو اپنی سب کوتاہیوں پر معاف کر دیا۔ کیونکہ ہر انسان کی طرح میں بھی خود سے محبت کرتی ہوں۔"

"دیکھو اب میں خوش نہیں تو مطمئن ضرور ہوں۔"

اُس نے رجا کو کبھی اتنا سنجیدہ اور عقلمند نہیں پایا تھا۔ شاید وقت نے بالاج کے ساتھ اُسے بھی بہت حد تک بدل دیا تھا۔

"تم بھی تو میرے ساتھ زیادتیاں کرتے رہے ہو۔ اب بھی کر رہے ہو۔ تم نے اکیلے کوئی سزا نہیں کاٹی۔ تم نے ہر سزا میں مجھے اپنے ساتھ شامل رکھا پر میں نے تو تمہیں بھی معاف کر دیا۔ آگے بھی کرتی رہوں گی۔"

مزید لمبے توقف کے بعد اُس نے جتانے کے لیے واضح الفاظ کا استعمال کیا تھا۔ بالاج جو اُسکی کچھ لمحے پہلے والی باتوں کے زیر اثر تھا اُسکا دماغ پھر مسلسل منفی سوچوں کی طرف بھٹکنے لگا۔ وہ یہاں اُسے سمجھانے نہیں بلکہ اُسکے رویے کا شکوہ کرنے آئی تھی۔

"تو تم مجھے یہ بتانے آئی ہو کہ تم ظرف میں مجھ سے بڑی ہو۔"

یکدم وہ بگڑ گیا۔ وہی پرانا مخصوص لہجہ واپس لوٹ آیا تھا۔ یہ اب کبھی نہیں سدھر سکتا۔ رجاء نے گہری سانس خارج کی۔

"یہ بات مجھے بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں ظرف میں تم سے بڑی ہوں یا نہیں یہ تمہیں خود مجھ سے بہتر معلوم ہے۔"

بے حد سنجیدگی سے ٹھنڈا سا طنز کیا گیا تھا۔ بالاج کے ماتھے پر شکنوں کا جال بچھا تھا۔

"ابھی بات ظرف کی نہیں ہو رہی بالاج۔ بات محبت کی ہو رہی ہے۔"

اُس نے جتایا تھا۔

"جن سے محبت ہوتی ہے اُنکی غلطیوں کو معاف کر دینا چاہیے۔ اُنکو سزاؤں سے آزاد کر دینا چاہیے بالاج۔ یہ اُنکے لیے نہیں بلکہ تمہارے خود کے سکون کے لیے ضروری ہے۔"

ہمیشہ بالاج کی جلی کٹی سننے والی آج اُسے بڑوں کی طرح سمجھا رہی تھی۔ وہ واقعی بہت زیادہ بدل چکی تھی۔

"تم نے کچھ غلط نہیں کیا بالاج۔ تمہیں لگتا ہے ایسی لڑکیاں گھروں سے نہیں بھاگتیں جن کے باپ زندہ ہوتے ہیں؟"

اُس نے نرمی سے بالاج کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا ایسی لڑکیوں کے ساتھ زیادتی نہیں ہو جاتی جن کے ایک سے زیادہ بھائی ہوتے ہیں؟"

"کیا گھروں میں باپ اور بھائیوں کے سائے میں موجود، محفوظ لڑکیاں، حادثات کا شکار نہیں ہوتیں؟"

مضبوط انداز میں دلائل دیتی وہ اُسے اُن حقائق سے روشناس کروا رہی تھی جن پر اُس نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔

"کوئی کسی ملازم کی بربریت کا شکار ہو جاتی ہے تو کوئی کسی رشتہ دار کے جبر اور زبردستی کی بھیٹ چڑھ جاتی ہے۔"
چند لمحوں کو وہ رُکی تھی۔

"ہماری ایبی کی غلطی تو ایک نامحرم، غیر شخص پر اعتبار کرنا تھی۔"

تھکی ہوئی سانس خارج کر کے جب وہ مزید بولی تو آواز بھیگی ہوئی تھی۔ شاید ایمن کی یاد نے دل دکھادیا تھا۔

"مگر بیسیوں لڑکیاں تو بغیر کسی خطا کے ایسے ظلم کا نشانہ بن جاتی ہیں بالاج۔ پتہ ہے کیوں؟"

اُس نے آنسو پیتے لہجہ مضبوط بنایا۔ بغیر کوئی حرکت کیے، بغیر کچھ بولے وہ سُن رہا تھا۔

"یہ اُن پر اللہ کی طرف سے آزمائش اُترتی ہے۔ اُنکے گھر والوں کا، باپ بھائیوں کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اُنکے صبر کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اور امتحان یہ پرکھنے کے لیے لیا جاتا ہے کہ انسان اللہ کے قریب ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ آزمائش اُسے اللہ کی ذات سے ناامید تو نہیں کر رہی؟"

اُس نے آگے کو جھک کر اُسکی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی تھی۔

"کچھ لوگ اپنے امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور کچھ تمہاری طرح اللہ سے دور ہو جاتے ہیں۔ اُس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ مانگنا چھوڑ دیتے ہیں۔ تم خود کو ہی دیکھو۔ اپنے لیے تو کیا مانگنا تم مِشی کے لیے بھی کچھ نہیں مانگتے۔ کوئی دعا نہیں کرتے۔ اللہ سے اُسکی حفاظت کی دعائیں مانگنے کی بجائے خود اُسکی حفاظت کر رہے ہو۔ وہ بھی اُسے قید کر کے۔"

سنجیدگی سے بولتے آخر میں اُس کا انداز مذاق اُڑاتا تھا۔ بالاج سے یہ طنز برداشت نہیں ہوا تھا۔ سرعت سے اُسکی طرف دیکھتے باقاعدہ آنکھیں پھیلانی گئیں جیسے رجا کے منہ سے یہ بات سُن کر بڑی حیرانگی ہوئی تھی۔

"تم یہ کیوں نہیں مان لیتے کہ ایسی کے ساتھ جو ہوا وہ اللہ کی رضا سے ہوا اور اب مٹی کے ساتھ بھی وہی ہو گا جو اللہ چاہے گا۔ تمہارے قید کرنے سے کچھ نہیں ہو گا بالاج۔"

اُسکی حیرت سے خائف ہوئے بغیر وہ تھکے سے انداز میں بولی تھی۔
 "اللہ کی رضا نہیں، وہ ایسی کی غلطی تھی۔"

اس سارے عرصے میں وہ پہلی دفعہ بولا تھا۔ انداز رجا کے لیے ہمیشہ کی طرح جارحانہ تھا جبکہ وہ ایمن سے بھی کچھ متنفر معلوم ہوا تھا۔

"تم اُسکی اور اپنی غلطیوں کو اللہ کی رضا نہیں کہہ سکتی۔ سمجھیں؟"

اب کے وہ اپنے مخصوص پُرانے انداز میں غرایا تھا۔

"اور مٹی کے لیے جو کچھ میں کر رہا ہوں تم اُسے منفی رنگ نہیں دے سکتیں۔ میں نے اُسے قید نہیں کیا بلکہ میں اُسے تحفظ دے رہا ہوں۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

سختی سے باور کروایا گیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ مان لیا کہ ایسی اور میں دونوں غلط تھیں۔ بلکہ میں تو پہلے بھی مانتی ہوں۔ پر جب اللہ انسان کو معاف کر دیتا ہے تو انسان کیوں نہیں کر سکتے؟"

وہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھی۔

"خیر میں بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی۔ تم خود کو معاف نہیں کر سکتے تو ہمیں کیا کرو گے؟"

کندھے اُچکا کر سنجیدگی سے طنز کیا گیا تھا۔

"رہی بات مِشی کی تو یہاں تمہیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ تم اُسکے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔ اُسکے وہ حقوق جو اُسے ہمارے مذہب نے دے رکھے ہیں تم نے وہ تک سلب کر لیے ہیں۔"

"میٹرک اور انٹر تمہاری خاطر وہ گھر بیٹھے کر چکی ہے مگر اب وہ آگے پڑھنا چاہتی ہے۔"

وہ آج اسی مقصد کے لیے ہی اُس کے پاس آئی تھی تبھی حد درجہ سنجیدہ تھی۔ کچھ دیر پہلے اُسکی بکھری بکھری حالت دیکھ کر رجا کے دل کا نرم گوشہ تڑپ اُٹھا تھا۔ مگر اب اُسے واپس اُسکی جون میں لوٹے دیکھ کر اُس نے بھی وہی انداز اپنایا جو پچھلے کچھ عرصے سے اپنا رکھا تھا۔

"اور تم بہتر جانتے ہو کہ آگے کی پڑھائی گھر بیٹھے نہیں ہو سکتی۔"

وہ اُسے جو جتا رہی تھی اُس تک پورا پورا پیغام پہنچ رہا تھا۔ اُس واقعے کے بعد سے رجا نے تو کبھی اپنی تعلیم جاری کرنے کا نام بھی نہیں لیا تھا البتہ مشعال کی بے حد فراغت کی وجہ سے بالاج نے اُسکو پرائیویٹ ہی میٹرک اور انٹر کروادیا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اپنے فرائض اچھے سے پورے کرو بالاج۔ اپنی بہن کو اُسکے حقوق دو۔ ایسی کی دفعہ تو تم خود کو بلاوجہ قصور وار سمجھتے ہو۔ یہ نہ ہو کہ اس دفعہ تم اپنی بہن کے جائز حقوق چھین کر واقعی اُسکے قصور وار بن جاؤ۔"

طنزیہ حملہ اس دفعہ بھی شدید تھا۔ اُسکی جرات پر بالاج نے خون آشام نظروں سے اُسے گھورا۔ نتیجتاً وہ سنجیدگی سے خود ہی بول پڑی تھی۔

"میں خود سے کچھ نہیں کہہ رہی بالاج۔ ایسا مِشی چاہتی ہے۔"

"میری بہن صرف وہ چاہتی ہے جو میں کہتا ہوں۔ پر تم۔"

وہ دبے لہجے میں غرایا۔ کسی خیال پر وہ چونک کر رُکا۔ کچھ سوچتے ہوئے بڑی سختی سے بولا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ میری بہن کے حقوق کی آڑ میں تم اپنے حقوق کا احساس دلا رہی ہو؟"

"تمہاری یہ خوش فہمی کب ختم ہوگی بالاج؟"

اُس نے بڑی ہی سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ بالاج کی انا کو بُری طرح ٹھیس پہنچی۔

"میں یہ سوچنا بھی چھوڑ چکی ہوں کہ تم میں کچھ محسوس کرنے کی صلاحیت باقی رہی ہے۔"

اُس نے مزید چوٹ کی تھی۔ وہ جو ہمیشہ محبتوں کا اظہار کرتے نہ تھکتی تھی آج اتنے عام سے انداز میں طعنہ مار رہی تھی کہ بالاج کا ضبط ٹوٹنے لگا تھا۔

"جن لوگوں میں تم اٹھنے بیٹھنے لگے ہو، جو کچھ تم کر رہے ہو اُسکے بعد کم سے کم میں تمہیں احساس کرنے والا نہیں سمجھتی۔"

اُسکا اشارہ اُسکے دوستوں اور سگریٹ نوشی کے شغل کی طرف تھا۔ آج عرصے بعد اُس نے اُسکی ذاتیات میں دخل اندازی کی تھی۔ اور کی بھی تو کیسے؟ یوں کہ کچھ سنورنے کی بجائے سب بگڑ جاتا۔

"وہ جو میرا بالاج ہوا کرتا تھا میں اُسے کھو چکی ہوں۔ اُسے دوبارہ حاصل کرنے کی اب کوئی چاہ نہیں رہی۔"

اُس نے ٹھنڈی آہ بھری اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ سوچ کر کہ اس شخص سے تو دماغ کھپانا بالکل فضول کام تھا۔

"تو یہ جو ابھی غلطیوں کی معافی والا ڈرامہ تھا یہ کیا تھا؟ آخر کسے گمراہ کرنا چاہتی ہو تم؟"

وہ جانے کس آگ میں جل بھن رہا تھا کہ اُس کے سر پر پہنچ کر دانت پیستے بولا۔

"اُسے ڈرامہ نہیں، تم میری ایک اور غلطی کہہ سکتے ہو۔"

اُسکی سنجیدگی ہنوز برقرار تھی۔ بالاج کے چہرے پر نا سمجھی پھیلی۔

"اپنے نادان دل کا کیا کروں بالاج جو غلطی پر غلطی کرنے پر اکساتا ہے۔"

"بدلے تو تم ہو۔ بدلی تو تمہاری محبت ہے۔ میں تو وہی ہوں۔ ویسی ہی ہوں۔ میری محبت تو اب بھی وہی ہے جو پہلے

تھی۔ اور محبت ایسی ہی غلطیاں کرواتی رہے گی۔"

اُسکا انداز عجیب سا تھا۔ محبت تھی بھی اور نہیں بھی۔ جانے کیوں بالاج سے یہ تضاد برداشت نہیں ہوا تھا۔ خود بھلے جو بھی کہتا اور کرتا پھرے رجاء کی زرا سی بات برداشت نہیں ہوئی تھی۔

"بند کرو بکواس۔"

اُسکی آواز دھاڑ سے کم نہیں تھی۔ رجاء نے ناگواری سے اُسکی طرف اور پھر کھلے دروازے سے باہر سامنے کے کمرے کی طرف دیکھا۔ اگر وہ یونہی بار بار چلایا تو عین ممکن تھا کہ مشعال نیند سے جاگتی اور پریشان بھی ہو جاتی۔

"کوئی حقیقت تم سے برداشت نہیں ہوتی۔"

سینے پر بازو لپیٹتے اُس نے ٹھنڈے سے انداز میں ایک اور طنز کیا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے بالاج کی سائیکی سمجھ آگئی تھی۔ وہ

سب جان رہی تھی بالاج سے یہ بات بھی برداشت نہیں ہوئی تھی۔

"نگلو یہاں سے۔"

اب کی بار اُس نے ہاتھ سے پکڑتے اُسے باہر نکالنا چاہا۔ مبادا وہ مزید ہی پارہ نہ چڑھادے۔

"مشی کو آگے پڑھنے کی اجازت چاہیے۔ میں اسی لیے یہاں آئی تھی۔ ورنہ میں ایسے شخص کے پاس بالکل نہ آتی جو قدر کرنا بھول چکا ہے۔"

دہلیز پر پہنچنے تک اُس نے مزید بھی سرزنش کر دی تھی۔ اپنا بازو اُسکی سخت گرفت میں دیکھتے اُس نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"ابھی کے ابھی نکلو۔"

اُسے کمرے سے باہر دھکیل کر اُس نے انگلی کے اشارے سے جانے کا بھی کہا تھا۔

"پہلے مشی کو اجازت دو پھر۔"

مشعل کی خاطر وہ اب بھی بضد تھی۔ بالاج کے ہاتھوں بے عزتی کی اب کوئی فکر رہی ہی نہیں تھی۔ جب زندگی اب تھی ہی مشعل کے لیے تو باقی باتوں سے کیا لینا دینا؟

"مشی کو منع کرنا، سمجھانا، اجازت دینا، نہ دینا منانا میرا کام ہے۔ پر آئندہ کے لیے تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ مجھ جیسے شخص کے پاس آنے کی زحمت اٹھاؤ۔"

ایک ایک لفظ چبا کر بولتے وہ آج انوکھے ہی انداز میں غصہ کر رہا تھا۔ جانے جلن تھی کس بات پر؟ رجا کی سمجھ سے اب وہ شخص بالآخر تھا۔

"بہت بُرے ہو تم۔"

اُسکی آواز بھرا گئی تھی۔ شکوہ کرنا نہیں چاہتی تھی پر کر ڈالا تھا۔ اُسکے شکوے پر تو بالاج کو اور ہی پتنگ لگ گئے تھے۔

"میں اس سے بھی زیادہ بُرا ہوں۔ اور اس سے پہلے کہ میں تمہیں اپنا آپ اچھے سے دکھاؤں نکلویہاں سے۔ فوراً۔"

وہ غصے سے چلایا تھا۔ رجاء کو موٹی موٹی بھیگی آنکھیں پھیلائے، وہیں ایستادہ دیکھ کر اُس نے دروازہ بڑے زور سے اُسکے منہ پر ہی بند کر دیا تھا۔ اتنی ناقدری پر پلکوں پر اٹکے اُسکے آنسو بہہ نکلے تھے۔ آخر وہ مجھ سے ایسے بات کیوں کرتا ہے؟ کیوں وہ مجھ سے پہلی کہ طرح مخاطب نہیں ہوتا؟ آخر اُسے اب غصہ کس بات کا آیا تھا؟

رجاء کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ اُسے بس اتنا معلوم تھا کہ اُسے رجاء کا وجود اب بالکل برداشت نہیں تھا۔ خیر وہ ساری رات اپنے گڑے مفروضوں میں گزارنے کے بعد بھی وہ کچھ نہیں سمجھ پائی تھی البتہ اگلی صبح بالاج کے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے اُسے ہمیشہ کی نسبت بہت زیادہ جلے ہوئے سگریٹ ملے تھے۔ یعنی جہاں اُس نے پچھلی رات بالاج کے رویے کو سوچتے گزاری تھی وہیں وہ ساری رات بالاج نے سگریٹ پھونکتے گزاری تھی۔

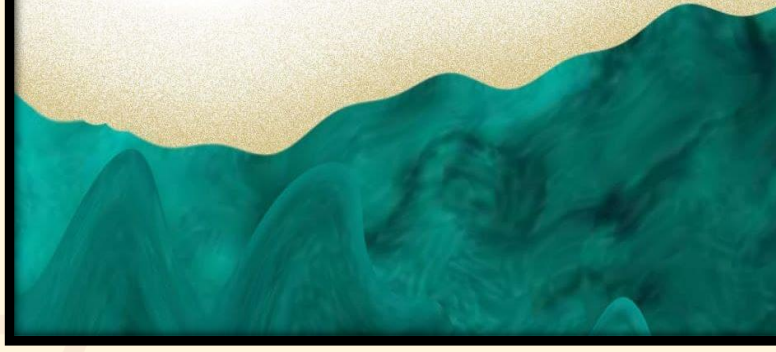
Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

باقی آئندہ

پل صراط

عنیزہ زاہد



"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہونا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آجائے گی۔' اس کے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

"یہاں دستخط کرو غازہ ! " کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بڑی طرح کانپنے لگے۔ وہ تو با آسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی حسرت میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! " سبیکہ کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔ "بچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سبیکہ ! اور یہ نیا دھور رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہنے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمینڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو پیٹے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

ایسین خانج



ابراہیم

تطمئن القلوب



دانش آرزو

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ج جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔!" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھلا بھی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگ حب الہی تو اتر جائیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ بہت پید کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکراتے کی کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

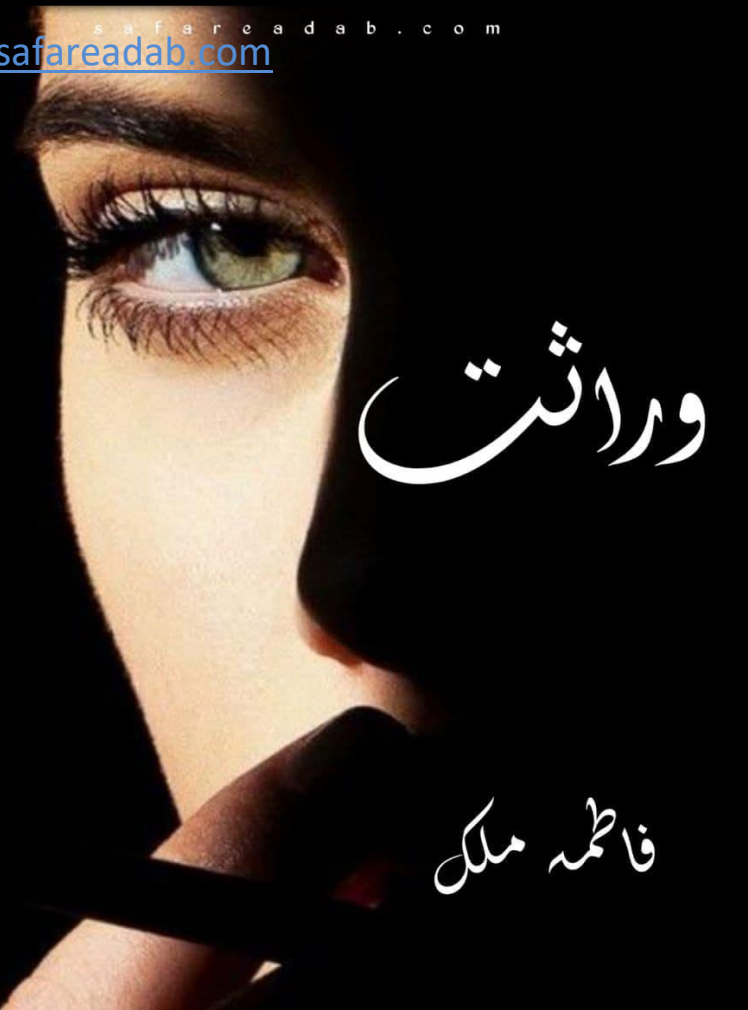
"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے توجھ جائے گی نا۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پریقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ناپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آخر۔۔۔ وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ در اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔



فاطمہ ملک

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا بیٹا؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنو گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ یہ کیا عجیب سا سوال ہے۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ بھلا!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زور دار تھپڑ مار دیا۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آچکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے بلیٹی اور حسن خان وہیں دل تمام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے سہنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

ناول مردہ خانہ کی دس جھلک

"میں بہت تکلیف میں ہوں زوبی"

"میں جانتی ہو جبران"

"تم دعا کرو نا اللہ ہماری مشکل آسان کر دے"

"انشاللہ"۔۔۔۔ اسکا سر دھیمے دھیمے دباتے زوبیہ نے

کہا۔ جبران نے سیدھا بیٹھتے اس کا ہاتھ تھاما اور آگے
بلایا۔ زوبیہ اسکے ساتھ صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔ جبران
نے اپنا سر اسکے کندھے پر رکھا اور آنکھیں بند کر لی۔

"میرا دل کر رہا ہے میں اونچا اونچا رو"

"رو لیں جبران آپ کو میرے سامنے مضبوط بننے کی
ضرورت نہیں۔ آپ کھل کر رو لیں"۔۔۔ اس نے
اپنا ہاتھ جبران کے گال پر رکھا۔ جبران نے اس کے
ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"نہیں میں نہیں روں گا۔ جب تک میں اپنے بھائی کا
بدلہ نہیں لے لیتا میری آنکھ سے ایک آنسو نہیں ہے
گا"

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

مردہ خانہ

ارحم سلیم

"آپ کو کیا لگتا ہے یہ سب کس نے کیا ہے؟"

"کچھ سمجھ نہیں آرہا زوہی کچھ بھی سمجھ نہیں
آرہا۔ میرے اتنے تعلقات میری وکالت کی ڈگری
سب ضائع ہو گئی۔۔۔۔۔ اس کی آواز میں بے انتہا
بے بسی تھی۔

"ایسا نہیں ہے جبران۔ بس یہ آزمائش کی گھڑی
ہے۔ اللہ جب ہماری مشکل آسان کرے گا تو راستے
خود بخود کھل جائیں گے"

اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے وہ اسے امید دلا رہی
تھی۔ جبران نے چہرہ موڑتے محبت بھری نظروں
سے اسکی جانب دیکھا۔
Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تم میری زندگی کا سکون ہو زوہی۔۔۔۔۔۔۔ وہ
تھکن سے چور جس لہجے میں بولا تھا زوہیہ دھیرے سے
مسکرا دی۔

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں
کلک کریں۔

safareadab.com

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کارروائی کی جاسکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب